ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

Registered No. CPL-13

جلد نمبر33... شمارہ نمبر01... جنوری2025

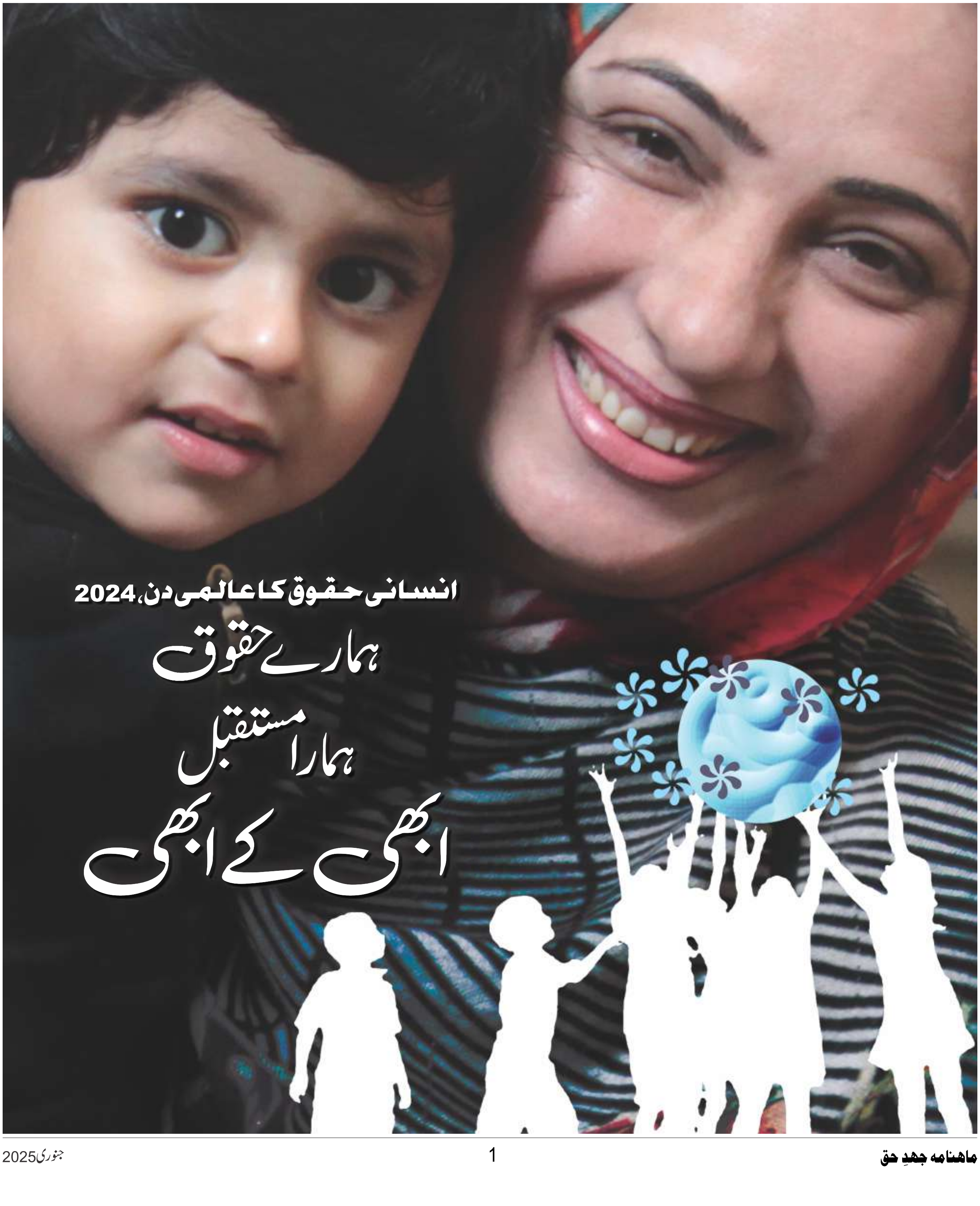

انسانی حقوق کے عالمی دن

جنوری

27جنوری ہولوکاسٹ کے متاثرین کی یاد میں دعائیہ تقریب کا عالمی دن

فروری

4فروری کینسر کا عالمی دن
6فروری خواتین کے تولیدی اعضاء کو کاٹنے کی ممانعت کا عالمی دن
13فروری ریڈیو کا عالمی دن (یونیسکو)
20فروری سماجی انصاف کا عالمی دن
21فروری مادری زبان کا عالمی دن (یونیسکو)

مارچ

یکم مارچ امتیاز کے خاتمے کا دن (یواین ایڈز)
3مارچ جنگلی حیات کا عالمی دن
8مارچ خواتین کا عالمی دن
15مارچ اسلاموفوبیا کے خلاف قرارداد
15مارچ صارفین کے حقوق کا عالمی دن
20مارچ خوشی کا عالمی دن
21مارچ نسلی امتیاز کے خاتمے کا عالمی دن
21مارچ شاعری کا عالمی دن (یونیسکو)
21مارچ نوروز کا عالمی دن
21مارچ پیدائشی ذہنی معذوری کا عالمی دن
21مارچ جنگلات اور درخت کا عالمی دن
22مارچ پانی کا عالمی دن
23مارچ موسمیات کا عالمی دن (ڈبلیو ایم او)
24مارچ تپ دق کا عالمی دن
24مارچ انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزیوں سے متعلق حقائق کو جاننے کے حق اور متاثرین کی عزت نفس کا عالمی دن
25مارچ غلامی اور غلاموں کی سمندر پار تجارت کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
25مارچ عملے کے زیرحراست اور لاپتہ اراکین سے اظہار یکجہتی کا عالمی دن

اپریل

2اپریل خودفکری سے آگاہی کا عالمی دن
4اپریل کانوں سے متعلق آگاہی اور کانوں سے متعلقہ کارروائیوں میں معاونت کا عالمی دن
6اپریل ترقی اور امن کے لیے کھیل کا عالمی دن
7اپریل روانڈا کے قتل عام کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
7اپریل صحت کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)
12اپریل خلا میں انسانی پرواز کا عالمی دن
22اپریل مادرارض کا عالمی دن
23اپریل کتاب اور حق اشاعت کا عالمی دن
23اپریل انگریزی زبان کا عالمی دن
25اپریل ملیریا کا عالمی دن۔ (ڈبلیو ایچ او)
26اپریل ایجاد کے حقوق کا عالمی دن (ویپو)
28اپریل دوران ملازمت سلامتی اور صحت کا عالمی دن
29اپریل کیمیائی جنگ کے تمام متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
30اپریل جاز (موسیقی) کا عالمی دن

مئی

3مئی آزادی صحافت کا عالمی دن
8-9مئی دوسری جنگ عظیم میں جاں بحق ہونے والے افراد کو یاد کرنے اور ان سے یکجہتی کا دن
10-11مئی نقل مکانی کرنے والے پرندوں کا عالمی دن (یواین ای پی)
13مئی ''ویساک'' پورے چاند کا عالمی دن
15مئی کنبوں کا عالمی دن
17مئی ٹیلی مواصلات اور معلوماتی اداروں کا عالمی دن (آئی ٹی یو)
21مئی بحث مباحث اور ترقی کے لیے ثقافتی تنوع کا عالمی دن
22مئی حیاتیاتی تنوع کا عالمی دن
23مئی زچگی کے دوران پیدا ہونے والے گھاؤ کے خاتمے کا عالمی دن
29مئی اقوام متحدہ کے امن فوجی دستوں کا عالمی دن
31مئی تمباکو نوشی کی ممانعت کا عالمی دن

جون

یکم جون والدین کا عالمی دن
4جون جارحیت سے متاثرہ معصوم بچوں کا عالمی دن
5جون ماحول کا عالمی دن (یواین ای پی)
8جون سمندروں کا عالمی دن
12جون چائلڈ لیبر کے خلاف عالمی دن
14جون خون کا عطیہ دینے والوں کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)
15جون بزرگوں سے ناروا سلوک سے آگاہی کا عالمی دن
17جون زمین کے صحرا بُرد ہونے اور خشک سالی پر قابو پانے کا عالمی دن
20جون مہاجرین کا عالمی دن
23جون اقوام متحدہ کا خدمات عامہ کا دن
23جون بیواؤں کا عالمی دن
25جون ملاحوں کا عالمی دن (آئی ایم او)
26جون ادویات کے غلط استعمال اور غیرقانونی نقل وحمل کے خلاف عالمی دن
26جون تشدد کے متاثرین کی حمایت میں اقوام متحدہ کا عالمی دن

جولائی

5جولائی تعاون کنندگان کا عالمی دن (جولائی کا پہلا ہفتہ)
11جولائی آبادی کا عالمی دن
18جولائی نیلسن منڈیلا کا عالمی دن
28جولائی ہیپاٹائٹس کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)
30جولائی دوستی کا عالمی دن
30جولائی انسانی سمگلنگ کے خلاف عالمی دن

اگست

9اگست دنیا بھر کے مقامی افراد کا عالمی دن
12اگست نوجوانوں کا عالمی دن
19اگست انسانیت پسندی کا عالمی دن
23اگست غلاموں کی تجارت کی یاد آوری اور اس کے خاتمے کا عالمی دن (یونیسکو)
29اگست جوہری تجربات کے خلاف عالمی دن
30اگست جبری گمشدگیوں کے متاثرین کا عالمی دن

ستمبر

5ستمبر خیرات کا عالمی دن
8ستمبر خواندگی کا عالمی دن (یونیسکو)
12ستمبر اقوام متحدہ کا جنوب۔جنوب اشتراک کا دن
15ستمبر جمہوریت کا عالمی دن
16ستمبر اوزون کی تہہ کے تحفظ کا عالمی دن
21ستمبر امن کا عالمی دن
25ستمبر ساحلی علاقوں کا عالمی دن (ستمبر کا آخری ہفتہ)
26ستمبر جوہری ہتھیاروں کے مکمل خاتمے کا عالمی دن
27ستمبر سیاحت کا عالمی دن (یواین ڈبلیو ٹی او)

اکتوبر

یکم اکتوبر معمر افراد کا عالمی دن
2اکتوبر عدم تشدد کا عالمی دن
5اکتوبر اساتذہ کا عالمی دن (یونیسکو)
6اکتوبر جائے پیدائش کا عالمی دن (اکتوبر کا پہلا سوموار)
9اکتوبر ڈاک کا عالمی دن
11اکتوبر بچیوں کا عالمی دن
13اکتوبر آفات میں کمی کا عالمی دن
15اکتوبر دیہی خواتین کا عالمی دن
16اکتوبر خوراک کا عالمی دن (ایف اے او)
17اکتوبر غربت کے خاتمے کا عالمی دن
24اکتوبر اقوام متحدہ کا دن
24اکتوبر ترقی سے متعلق معلومات کا عالمی دن
27اکتوبر سماعتی وبصری ورثے کا عالمی دن (یونیسکو)

نومبر

2نومبر صحافیوں کے خلاف جرائم کے حوالے سے سزا سے استثنی کے خاتمے کا عالمی دن
6نومبر جنگ اور مسلح تنازعات کے دوران ماحول کو نقصان پہنچانے کی ممانعت کا عالمی دن
10نومبر امن اور ترقی کے لیے سائنس کا عالمی دن
14نومبر ذیابیطس کا عالمی دن
16نومبر رواداری کا عالمی دن
16نومبر ٹریفک حادثات کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن (نومبر کا تیسرا اتوار)
19نومبر بیت الخلاء کا عالمی دن
20نومبر بچوں کا عالمی دن
20نومبر فلسفے کا عالمی دن (نومبر کی تیسری جمعرات)
21نومبر ٹیلی ویژن کا عالمی دن
22نومبر صنعت کاری کا عالمی دن
25نومبر خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کا عالمی دن
29نومبر فلسطینی عوام سے اظہار یکجہتی کا عالمی دن

دسمبر

یکم دسمبر ایڈز کا عالمی دن
2دسمبر غلامی کے خاتمے کا عالمی دن
3دسمبر معذور افراد کا عالمی دن
5دسمبر معاشی اور سماجی ترقی کے لیے رضا کاروں کا عالمی دن
5دسمبر زرعی زمین کا عالمی دن
7دسمبر شہری ہوابازی کا عالمی دن
9دسمبر بدعنوانی کے انسداد کا عالمی دن
10دسمبر انسانی حقوق کا عالمی دن
11دسمبر پہاڑوں کا عالمی دن
18دسمبر تارکین وطن کا عالمی دن
20دسمبر انسانی یکجہتی کا عالمی دن

فہرست

پریس ریلیزیں	03
انسانی حقوق کے عالمی دن پر تقاریب	05
پاراچنار: ایک غیر ریاستی علاقہ	06
فرقہ واریت کی آگ میں جلتا پاکستان	07
انسانی حقوق کے عالمی دن پر حقوق کے تحفظ کے لیے جدوجہد کا عزم	08
خواجہ سراء افراد میں منشیات کا بڑھتا ہوا استعمال	09
پاکستان کو ملائیت کے خوف کے حصارے سے نکالنا ہوگا	10
یونیورسٹیوں کی خودمختاری متاثر ہونے کا خدشہ	11
پاکستان میں پانی اور انسانی حقوق	12
سعودی عرب میں پاکستانیوں کو سزائے موت	13
عورت کو بے دردی سے قتل کر دینا غیرت ہرگز نہیں	15
پرامن اجتماع اور امن عامہ قانون 2024	16
چمن قدرتی گیس سے محروم	17

انسانی حقوق کا عالمی دن: شہری و معاشی حقوق کو شدید چیلنجز کا سامنا ہے

انسانی حقوق کے دن کے موقع پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) ریاست کو یاددہانی کراتا ہے کہ اسے پاکستان کے آئین میں درج بنیادی حقوق کو فوری طور پر تسلیم کرنا ہوگا، خاص طور پر وہ حقوق جنہیں گزشتہ سال کے دوران شدید دباؤ کا سامنا رہا، جیسے کہ اظہار رائے اور پُرامن اجتماع کے حقوق، اقتصادی اور ماحولیاتی انصاف کی ضرورت، اور جبری گمشدگیوں اور حراستی تشدد کا فوری خاتمہ۔

ایچ آرسی پی اس بات پر سخت تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ اظہار رائے اور پُرامن اجتماع کے حق کی صورت حال تیزی سے بگڑ رہی ہے۔ گھروں پر چھاپے، امتناعی حراست، اور مظاہرین کے خلاف غیر متناسب اور غیر قانونی طاقت کا استعمال معمول بن گیا ہے، چاہے وہ جبری گمشدگیوں اور ماورائے عدالت قتل کے خلاف احتجاج کرنے والے ہوں یا حزب اختلاف کے سیاسی کارکنان۔ لوگوں کو خود پر سنسرشپ عائد کرنے پر مجبور کرنے کی حکمت عملی اب زیادہ براہ راست اقدامات میں تبدیل ہوگئی ہے، خاص طور پر ڈیجیٹل میدان میں، جہاں سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر سخت قوانین اور پابندیاں نافذ کی جارہی ہیں۔ صحافیوں اور کارکنان کی قلیل مدتی گمشدگیاں کسی بھی تحقیق یا ایڈووکیسی، حتیٰ کہ اختلاف رائے کی گنجائش کو مزید محدود کر رہی ہیں۔

ایچ آرسی پی حکومت کو یاد دلاتا ہے کہ لوگوں، خاص طور پر کمزور کارکنوں اور کسانوں کو ملازمتوں اور روزگار کے حوالے سے شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ ریاست کو لوگوں کے باوقار روزگار کے حق کو اولین ترجیح دینی چاہیے اور اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ یہ حق صرف مناسب اجرت اور اجتماعی سوداکاری تک محدود نہیں ہے، بلکہ جز وقتی ملازمین (گِگ ورکرز) کے انٹرنیٹ تک رسائی کے حق، بے زمین کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کے مالکانہ حقوق، اور شہری و دیہاڑی دار مزدوروں کے صاف ہوا کے حق سے بھی جڑا ہوا ہے۔

انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر ہمیں کمزور ترین اور پسماندہ طبقات جیسے کہ خواتین، بچے، مذہبی اقلیتیں، متجنس افراد، بزرگ، مہاجرین اور اندرونی طور پر بے گھر افراد، اور معذوری کا شکار افراد پر توجہ مرکوز کرنا ہوگی اور ان کے حقوق کا ہر قیمت پر تحفظ کرنا ہوگا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 10 دسمبر 2024]

ایچ آرسی پی کی انسانی حقوق کانفرنس نوجوانوں کے لیے بہتر مواقع کا مطالبہ کرتی ہے

انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) کے زیرِاہتمام منعقدہ کانفرنس کے اختتام پر شرکاء نے ریاست سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کمزور ترین اور محروم طبقات اور کمیونٹیز کے بنیادی حقوق کے تحفظ اور ان کے نفاذ کو یقینی بنائے۔

'ہمارے حقوق، ہمارا مستقبل، ابھی' کے عنوان سے منعقدہ اس کانفرنس میں تیزی سے کم ہوتی شہری آزادیوں کی جانب توجہ دلائی گئی۔ ایچ آرسی پی کے چیئرپرسن اسد اقبال بٹ، خواتین کے حقوق کی کارکن انیس ہارون، صحافی توصیف احمد خان اور ایچ آرسی پی کی کونسل ممبر سعدیہ بلوچ نے آزادیِ اظہار، نقل و حرکت اور پرامن اجتماع پر بڑھتی ہوئی پابندیوں پر تشویش کا اظہار کیا اور پرامن اجتماعات جیسے کہ حالیہ سندھ رواداری مارچ کے خلاف ریاست کے سخت اقدامات کی مذمت کی۔ اسد اقبال بٹ نے کمشنر کی جانب سے ضلع ساؤتھ میں دفعہ 144 کے غیر منصفانہ نفاذ کی بھی مذمت کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ اقدام، وہ بھی انسانی حقوق کے دن کے موقع پر، لوگوں کے پرامن اجتماع کے حق کی خلاف ورزی ہے۔

بلوچ یکجہتی کمیٹی کی رہنما سمی دین بلوچ اور وائس آف سندھ مسنگ پرسنز کی رہنما سورتھ لوہار نے جبری گمشدگیوں اور ماورائے عدالت قتل کے تسلسل پر افسوس کا اظہار کیا اور ذمہ داران کے لیے سزا سے استثنا کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔

ایچ آرسی پی سندھ کے نائب چیئر قاضی خضر حبیب اور حقوق کے کارکن جامی چانڈیو سمیت دیگر شرکاء نے دریائے سندھ پر چھ نہروں کی تعمیر کے حکومتی منصوبے پر شدید تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس منصوبے سے سندھ کے چھوٹے کسانوں کے روزگار پر منفی اثر پڑے گا۔ ایچ آرسی پی کی کونسل ممبران مہناز رحمان اور پشپا کماری نے خواتین اور مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد اور امتیازی سلوک کے خاتمے کا مطالبہ کیا، جبکہ مزدور رہنما قمر الحسن نے مزدوروں کے لیے مناسب اجرت اور بہتر حالاتِ کار فراہم کرنے پر زور دیا۔ کانفرنس نے نوجوان کارکنوں کو اپنے مسائل اجاگر کرنے کا پلیٹ فارم بھی مہیا کیا۔ کارکن ندا تنویر اور رومیسہ چانڈیو نے نشاندہی کی کہ نوجوان بہتر مواقع کی تلاش میں ملک چھوڑ رہے ہیں۔ سندھ رواداری تحریک کی رہنما سندھو نواز گھانگرو نے کہا کہ مذہبی انتہاپسندی نے نوجوانوں پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ حقوق کے کارکن مبشر جاکھرانی اور امل حنان نے طلبہ یونینز کی بحالی کا مطالبہ کیا، جبکہ سندھ سجاگ فورم کے صدر سارنگ جوئیو نے طلباء کی جبری گمشدگیوں پر افسوس کا اظہار کیا۔ صحافی اور ایچ آرسی پی کے خزانچی حسین نقی نے اختتامی کلمات کہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 10 دسمبر 2024]

4 دسمبر: ایچ آر سی پی عام پشتون شہریوں کوحراست میں لینے کے بعدان کی مبینہ نسلی پروفائلنگ پرشدید تشویش کا شکار ہے۔اسلام آباد پولیس کوایسی کسی بھی کارروائی سے گریز کرنا چاہیےجس سے ملک میں بسنے والی مختلف قوموں میں تقسیم پیدا ہو۔

11 دسمبر: ایچ آر سی پی کوان اطلاعات پرشدید تشویش ہے کہ گلگت بلتستان میں سیاسی کارکنوں کو ریاست کی طرف سے مبینہ طور پر انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت کے قیام اورشیڈول IV اور انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997 کے مسلسل استعمال کے ذریعے نشانہ بنایا جا رہا ہے۔عوامی ایکشن کمیٹی کے رہنما احسان علی کوراولپنڈی میں گرفتار کیا گیا اورکئی گھنٹے بعدرہا کر دیا گیا جبکہ کم ازکم دو دیگر کارکنوں نے چھ ہفتے سے زیادہ عرصہ گاہکوچ جیل، گلگت میں گزارا۔اطلاعات کے مطابق، انہیں من گھڑت مقدمات پر گرفتار کیا گیا تھا۔ پرامن سیاسی کارکنوں کے خلاف تمام الزامات واپس لیے جائیں اور گلگت بلتستان کے عوام کو آزادی اظہار اور پرامن اجتماع کےحقوق استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔

16 دسمبر: ایچ آر سی پی کرم کے مصیبت زدہ لوگوں کو فوری طور پرامدادی اشیاء کی فراہمی کا مطالبہ کرتا ہے۔ جنگ بندی کے مذاکرات جاری ہیں مگر اس دوران بھی لوگوں کو ریلیف کی فراہمی میں دیر نہ کی جائے۔ اس طرح کی امداد، خوراک، ایندھن اورطبی اور جراحی کے سامان کی صورت میں، سب سے زیادہ کمزورلوگوں، خاص طور پر بچوں تک، فوری طور پر پہنچنے کی ضرورت ہے اورامدادی راستے اس وقت تک محفوظ رکھے جائیں جب تک کہ سپلائی کا بہاؤ معمول پر نہ آجائے۔

18 دسمبر: یونانی ساحل کے قریب کشتی الٹنے سے کم ازکم پانچ تارکین وطن ڈوب گئے، جن میں کئی پاکستانی سوار تھے۔ رپورٹس میں کہا گیا ہے کہ تقریباً 39 مردوں کو، جن میں سے زیادہ تر کاتعلق پاکستان سے ہے، کواس علاقے میں مال بردار جہازوں کے ذریعے بچایا گیا ہے۔ ہرسال سینکڑوں پاکستانی تارکین وطن، بہترامکانات کی تلاش میں اس طرح کا خطرناک سفر کرتے ہیں۔جن میں سے بہت سے زندہ نہیں رہتے۔ہم انسانی اسمگلنگ سے متعلق اپنی 2024 کی رپورٹ میں دی گئی سفارشات کا اعادہ کرتے ہیں، جس میں کہا گیا ہے کہ اس عمل کوانسانی حقوق کے مسئلے کے طور پر دیکھا جانا چاہیے نہ کہ محض سرحدی کنٹرول کے مسئلے کے طور پر۔

21 دسمبر: آج کے اس اعلان کے جواب میں کہ فوجی عدالتوں نے پی ٹی آئی کی زیرقیادت 9 مئی کو ہونے والے فسادات کے لیے 25 شہریوں کوسزا سنائی ہے، ایچ آر سی پی اپنے موقف کا اعادہ کرتا ہے کہ کسی بھی شہری پر کسی بھی حالت میں فوجی عدالت میں مقدمہ نہیں چلایا جانا چاہیے۔ یہ پاکستان کے آئین کے ذریعےفراہم کردہ بنیادی حقوق کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی انسانی حقوق کی ذمہ داریوں کی بھی خلاف ورزی ہے جن ذمہ داریوں کی تعمیل کا پاکستان پابند ہے۔تشدد کے الزام میں ملوث تمام شہریوں کے خلاف کھلی عوامی کارروائی کے ذریعےشہری عدالتوں میں مقدمہ چلایا جانا چاہیےتھا تا کہ ان کے باضابطہ قانونی کارروائی اور منصفانہ ٹرائل کے حق کا تحفظ کیا جا سکے۔

22 دسمبر: پرامن اجتماع اور امن عامہ ایکٹ 2024، جو اسلام آباد میں اجتماعات اوراحتجاج کو ضابطے میں لانے کی کوشش ہے، صرف چار دنوں میں منظور کر لیا گیا۔ ایکٹ نے پرامن اجتماع کی آزادی کےحق کو بے اثر کر دیا ہے جو پہلے سے ہی حد سے زیادہ قوانین اور پابندیوں کے تابع تھا۔ نتیجہ؟ بنیادی آزادیوں اوران کے استعمال پر شدید منفی اثر۔ ایچ آر سی پی کے قانون سازی پرنظر رکھنے والے یونٹ نے مستند دلائل کے ساتھ بتایا ہے کہ اس جابرانہ قانون نے کس طرح عوام کے حق اجتماع کو متاثر کیا ہے جوحق دستور کے آرٹیکل 16 کے تحت محفوظ ہے۔اور یہ بھی کہ اس قانون نے کس طرح سے عالمی قوانین اور دیگر اچھی روایات کی پامالی کی ہے:

☆ قانون نے اجتماعات کے لیےمخصوص علاقے مختص کیے ہیں جو عملی اعتبار سے اجتماعات میں شریک ہونے والے شرکاء کی پہنچ سے دور ہیں۔

☆ اجازت نامے کے مشکل نظام کو لاگو کر کے اس قانون نے خود رو اجتماعات پر عملی لحاظ سے پابندی لگا دی ہے۔

☆ قانون ضلعی مجسٹریٹ کو بہت زیادہ اختیارات تفویض کرتا ہے۔ چنانچہ، ضلعی مجسٹریٹ اجتماع کی اجازت واپس لینے، اس میں ردوبدل کرنے یا اجتماع پر مکمل پابندی عائد کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

☆ سب سے تشویشناک، یہ 'غیر قانونی' اجتماعات کے شرکاء کے لیے سخت سزائیں تجویز کرتا ہے اور طاقت کے ذریعے اجتماع منتشر کرنے کے حوالے سے کوئی واضح معیار فراہم نہیں کرتا۔

29 دسمبر: 2025 کی آمد کے موقع پر، ایچ آر سی پی کی ڈائریکٹر فرح ضیا نے کہا ہے کہ سال بھر ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے باوجودمزاحمت کی نئی شکلوں میں ہمیں امید سے جڑے رہنے کی وجہ اورضرورت نظر آئی ہے۔ مزاحمت کے اس سلسلے کا دائرہ ستم زدہ کرم میں امن کے لیے متحرک ہونے والے ہزاروں عام شہریوں سے لے کر اپنے حقوق کے لیے اٹھنے والی بہادر بلوچ آوازوں تک پھیلا ہوا ہے۔

31 دسمبر: ایچ آر سی پی کوشاہدرہ، لاہور میں مصنف آزاد مہدی کے گھر پر ہجوم کے حملے کی خبروں پر گہری تشویش ہے۔ انہیں تھانے لے جایا گیا ہےلیکن ان کی بیوی اور بیٹی کو مشتعل ہجوم نے محصور کر رکھا ہے۔انہیں کھانے تک رسائی نہیں ہے۔ لاہور پولیس مہدی صاحب اوران کے اہل خانہ کوفوری طور پر تحفظ فراہم کرے اور شرپسندوں کو قانون کے کٹہرے میں لائے۔

31 دسمبر: 'وہ خاموشی کے ساتھ چلے گئے کیونکہ وہ اب یہاں محفوظ نہیں رہے۔' ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ، بے دخلی: کیا ہندو برادری سندھ چھوڑ رہی ہے؟ میں ان کٹھن حالات کا جائزہ لیا گیا ہے جو ہندو گھرانوں کو ہندوستان سمیت دنیا کے دیگر ملکوں کی راہ لینے کے لیے مجبور کر رہے ہیں۔فیکٹ فائنڈنگ کے لیےتحقیق کا کام صحافی ضیاءالرحمان نے کیا ہے۔

اگرچہ امن وامان کی بگڑتی صورت حال، اقلیت کے طور پر عدم تحفظ، اورعقیدے کی بنیاد پر تشدد — بشمول جبری تبدیلی مذہب اور توہینِ مذہب کے الزامات اہم عوامل ہیں، لیکن صرف یہی وجوہات نہیں ہیں۔ معاشی جدوجہد۔ موسمیاتی تبدیلی۔ غیرفعال قانونی نظام۔ غیرمؤثر سیاسی نمائندگی۔ یہ سب، ریاستی بےحسی کے ساتھ مل کر، سندھ میں ہندو برادری کو الگ تھلگ اور بیگانہ کرنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ پھر بھی اگرچہ نقل مکانی ان خاندانوں کو کچھ امید فراہم کرتی ہے جو ملک سے نکلنے کی استطاعت رکھتے ہیں، تاہم اس عمل میں شدید نقصانات بھی ہوتے ہیں— واقف کار ماحول، سوشل نیٹ ورکس، اور آبائی تعلقات — یہ سب غیر یقینی مستقبل کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کی نقل مکانی نظام میں تبدیلی کی فوری ضرورت کو واضح کرتی ہے۔

انسانی حقوق کے عالمی دن پر تقاریب

چمن پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ضلعی کور گروپ چمن اور شمشاد رائٹرز فورم پاکستان کے اشتراک سے انسانی حقوق کے عالمی دن کی مناسبت سے کاکوزئی ہاؤس کالج روڈ چمن میں ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ضلعی کور گروپ کے سابق ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر اور یوتھ پارلیمنٹ پاکستان کے ممبر محمد صدیق مدنی نے کی۔ اجلاس کا آغاز حافظ سیف الرحمٰن کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ شمشاد رائٹرز فورم پاکستان کے مرکزی سیکرٹری جنرل غلام محمد مخلص، پاکستان یوتھ پارلیمنٹ کے ممبر حافظ محمد صدیق مدنی، پروفیسر دوست محمد بڑیچ اور عبیداللہ کاکوزئی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج پوری دنیا میں انسانی حقوق کا عالمی دن منایا جارہا ہے۔ یہ دن اقوام متحدہ کے "عالمی منشور برائے انسانی حقوق" کی یاد میں منایا جاتا ہے، جو 1948 میں منظور ہوا تھا۔ اس منشور کا مقصد تمام انسانوں کو بلاتفریق نسل، مذہب، زبان، یا جنس برابر کے حقوق دینا ہے۔ انسانی حقوق کا تحفظ ایک ایسا اصول ہے جو معاشرے میں انصاف، امن اور عزت کو یقینی بناتا ہے۔ اگر ان حقوق کا تحفظ نہ ہو تو معاشرے میں انتشار، ظلم، اور بدامنی بڑھ سکتی ہے۔ بدقسمتی سے، دنیا بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں عام ہیں۔ جنگیں، غربت، اور سماجی ناانصافی انسانی حقوق کے لیے سب سے بڑے خطرات ہیں۔ بچوں سے مشقت کروانا، خواتین پر تشدد، اقلیتوں کے ساتھ ناروا سلوک، اور اظہارِ رائے پر پابندیاں انسانی حقوق کی پامالی کی مثالیں ہیں۔ پاکستان میں بھی کئی ایسے مسائل ہیں جو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے زمرے میں آتے ہیں، جیسے کہ تعلیم اور صحت کی ناکافی سہولیات، غربت، اور خواتین کے حقوق کی خلاف ورزی۔ انہوں نے مزید کہا کہ انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے ہم سب کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنے اردگرد موجود مسائل پر آواز اٹھانی ہوگی اور تعلیم، انصاف، اور مساوات کو فروغ دینا ہوگا۔ ظلم کے خلاف خاموش رہنا بھی ایک طرح سے اس کا ساتھ دینے کے مترادف ہے۔ انسانی حقوق کا عالمی دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ دنیا میں ہر انسان کی عزت اور آزادی کا احترام کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم سب انصاف، امن، اور مساوات کے اصولوں پر عمل کریں تو ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے جو سب کے لیے خوشحال اور پرامن ہو۔ یہ دن ہمیں یہ عہد کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے کہ ہم انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کریں گے۔ اجلاس کے آخر میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کاپیاں تقسیم کی گئیں۔

(محمد صدیق)

تربت 10 دسمبر 2024 کو انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر ایچ آر سی پی کے ریجنل دفتر تربت مکران میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں کارکنان سمیت مختلف مکاتب فکر کے لوگوں نے شرکت کی۔ تقریب سے خطاب کرنے والوں میں پروفیسر غنی پرواز، ڈاکٹر سمّی پرواز، خان محمد جان اور محمد کریم گچکی خاص طور پر شامل تھے۔ پروفیسر غنی پرواز نے اپنا خطاب معروف دانشور لاسکی کے اس قول سے شروع کیا کہ، "حقوق، سماجی زندگی کی وہ شرائط ہیں جن کے بغیر انسان اپنے ذاتی کمال تک نہیں پہنچ سکتا"۔ اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ انسانی حقوق یا بنیادی انسانی حقوق انسانی معاشرے کی ایسی سہولتیں ہیں کہ جو اگر انسان مل جائیں تو وہ ان کی ذریعے اپنی دلچسپیوں اور صلاحیتوں کے مطابق اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کی انہی خوبیوں کی وجہ سے زندہ قومیں اور ممالک انہیں کافی اہمیت دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ان کے لوگ اپنی دلچسپیوں اور صلاحیتوں کے مطابق ترقی کر کے اپنی منزل تک پہنچ سکیں اور اپنے ملک وقوم اور دنیا وانسانیت کے لیے کچھ کرسکیں۔ پروفیسر غنی پرواز کا مزید کہنا تھا کہ 1946 میں اقوام متحدہ نے 18 رکنی کمیشن تشکیل دے کر اسے انسانی حقوق مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ جنوری 1947 میں مذکورہ کمیشن نے انسانی حقوق مرتب کیے اور 10 دسمبر 1948 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کا عالمی منشور منظور کیا جو کل 30 دفعات پر مشتمل ہے۔ اس کی منظوری کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ سارے رکن ممالک اس منشور کو اپنی دساتیر اور تعلیمی نصابوں میں شامل کریں۔ اس وقت ممبر ممالک کی تعداد 58 تھی جبکہ آج کل 193 ہے۔

انسانی حقوق کے عالمی منشور میں بہت سارے بنیادی انسانی حقوق دیے گئے ہیں، جن میں حق زندگی، حق مال و جائیداد، حق تعلیم، حق صحت، حق روزگار، روزگار نہ ملنے کی صورت میں بے روزگاری الاؤنس کا حق، آزادی اظہار رائے، حق نقل وحمل، حق رائے دہی، حق نمائندگی، حق عقیدہ و مذہب، حق نظریہ خیالات، حق مساوات، حق انجمن سازی، تنظیم اور پارٹی سازی، حقوق اور مطالبات منوانے کے لیے جلسہ، جلوس، واک اور ہڑتال ومظاہرے کا حق، بڑھاپا بیماری اور ریٹائرمنٹ کی صورت میں ریاستی امداد کا حق اور اسی نوعیت کے دیگر بنیادی انسانی حقوق شامل ہیں۔ اقوام متحدہ کی جتنے بھی ممبر ممالک ہیں ان سب نے اس منشور پر دستخط کیے۔ اس لیے ان کا فرض ہے کہ ان کی پابندی کرتے ہوئے اپنے لوگوں کو یہ سارے حقوق فراہم کریں۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کئی ممالک ایسا نہیں کررہے۔ بعض ممالک اپنے ہی شہریوں کو یہ حقوق فراہم نہیں کررہے جبکہ بعض ممالک دوسرے ممالک کے شہریوں کے حقوق میں مداخلت کررہے ہیں، جیسا کہ امریکہ دنیا کے مختلف ممالک کے مابین جنگیں چھیڑ کر اسلحہ فروخت کرتا ہے جس کی تازہ ترین مثالوں میں اسرائیل اور فلسطین کی جنگ، یوکرین اور روس کی جنگ شامل ہے۔ چین سنکیانگ، تائیوان اور بلوچستان میں حقوق کی خلاف ورزیوں میں ملوث ہے۔ بھارت مسلم اقلیت اور جموں وکشمیر کے حقوق کے خلاف ورزیوں میں ملوث ہے۔ افغانستان میں خواتین کے روزگار اور تعلیم کے حقوق پامال ہو رہے ہیں اور داعش کے قاتلانہ حملے جاری ہیں، اور پاکستان کے چاروں صوبوں میں مختلف طریقوں سے بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں۔ ڈاکٹر سمّی پرواز نے انسانی حقوق کا عالمی منشور پیش کیا جو 10 دسمبر 1948 کو اقوام متحدہ نے منظور کیا تھا۔ خان محمد جان کا کہنا تھا کہ ہر ملک میں انسانی حقوق کی پامالیاں ہوتی ہیں لیکن وہاں ختم کرنے کے لیے کام کیا جاتا ہے لیکن ہمارے ملک میں انہیں بڑھاوا دیا جاتا ہے۔ جنہوں نے آئین وقوانین بنائے ہیں وہ خود انکی پامالیاں کررہے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ محمد کریم گچکی کا کہنا تھا کہ ہم ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہیں جہاں کوئی شخص کہیں پر بھی محفوظ نہیں ہے۔ یہاں اگر کوئی اپنے حقوق کی بات کرے تو اسے ریاست کی جانب سے اغوا کر کے لاپتا کردیا جاتا ہے۔ اس ملک کے ہر ایک ادارے میں جھوٹ اور بے ایمانی چلتی ہے۔ پہلے لوگ کہتے تھے کہ باہر کا ماحول ٹھیک نہیں ہے لیکن اب اس ملک میں لوگ اپنے گھروں میں بھی محفوظ نہیں ہیں۔

آخر میں درج ذیل 5 قراردادیں بھی پیش کی گئیں جنہیں اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔

1۔ استاد واحد کمبر کو فوری طور پر بازیاب اور رہا کیا جائے۔
2۔ ڈاکٹر دین محمد کو فوری طور پر بازیاب اور رہا کیا جائے۔
3۔ تمام لاپتا افراد کو بازیاب اور رہا کیا جائے۔
4۔ لوگوں کو اغوا کر کے جبری طور لاپتہ کرنے کا سلسلہ فوری طور پر بند کیا جائے۔
5۔ تمام شہریوں کو انکے بنیادی انسانی حقوق فراہم کیے جائیں جن میں خاص طور پر حق زندگی، حق صحت، حق تعلیم، حق روزگار، حق آزادی اظہار رائے اور اسی نوعیت کے دیگر بنیادی انسانی حقوق شامل ہیں۔

پروگرام کے دوسرے حصے میں دفتر کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔

(ایچ آر سی پی ریجنل آفس تربت مکران بلوچستان)

پاراچنار: ایک غیر ریاستی علاقہ

ہمایوں شاہ

21 نومبر کی رات جب پاراچنار کی طرف جانے والے قافلے پر حملہ ہوا، جس کے نتیجے میں اب تک 53 سے زائد افراد مارے جا چکے ہیں تو مجھے افواجِ پاکستان کے ایک کرنل صاحب کا فون آیا، جنہیں میں اپنے GIZ کے دنوں میں جانتا تھا جب میں ایک تعلیمی منصوبے کا حصہ رہا تھا۔ انہوں نے میرے خاندان کی حفاظت کے بارے میں دریافت اور دہشت گردی پر لعنت بھیجی۔ کال ختم کرنے سے پہلے انہوں نے بہت ضروری بات کہی۔ انہوں نے کہا، "یہ دہشت گردی کی لعنت ہے، لیکن ہمارے لوگ اتنے بے وقوف ہیں کہ ان قبائلی عداوتوں کا موازنہ غزہ سے کرتے ہیں جہاں منظّم نسل کشی ہو رہی ہے۔"

میں نے جواب دیا، "آپ نے بالکل درست کہا، کرنل صاحب، آج میں غزہ اور پاراچنار کے درمیان پانچ فرق بتانا چاہتا ہوں، جس سے آپ لوگوں کو بہتر طریقے سے سمجھا پائیں گے کہ ان دونوں کا موازنہ نہ کرنے کی وجہ کیا ہے۔"

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "پہلی بات، 7 اکتوبر کے بعد، جب غزہ کو گھیرے میں لے لیا گیا اور وہاں کے لوگوں کو زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم کر دیا گیا تو دیگر ممالک نے ہوائی جہاز سے امداد بھیجنا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اس نسل کشی میں ملوث امریکہ نے بھی گزشتہ ایک سال میں درجنوں امداد پہنچانے کے لیے فضائی کارروائیاں کیں۔ لیکن کرنل صاحب، پاراچنار کے پاس ہوائی جہازوں کے ذریعے مدد حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے۔ 2007 اور 2011 کے درمیان محاصرے کے چار طویل برسوں کے دوران سینکڑوں بچے سخت سردیوں میں اینٹی بائیوٹک کی کمی کی وجہ سے موت کے منہ میں چلے گئے، کینسر کے مریض، ذیابیطس کے مریض، اور زخمیوں کو ان کی قسمت پر چھوڑ دیا گیا، بغیر کسی مدد اور بنیادی نگہداشت کے۔"

دوسری بات یہ کہ آپ نے اخبارات میں یا الجزیرہ پر پڑھا ہوگا کہ اس مشکل وقت میں بھی جب تقریباً تمام غزہ کے باشندے خیموں میں رہ رہے ہیں جہاں جانے کے لیے کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے، حماس کے سول ایڈمنسٹریٹر نے کسی ایسے شخص کو سزا دی جو خیموں سے چوری کر رہا تھا اور اس پر IDF فورسز کے لیے جاسوسی کرنے الزام بھی تھا۔ لیکن کرنل صاحب، پاراچنار میں 6000 سے زائد لوگ مارے جا چکے ہیں، اور ایک بھی شخص کو انصاف نہیں ملا۔ لوگوں نے ایک اسکول پر دھاوا بول دیا، اساتذہ کو مار ڈالا، اور سوشل میڈیا پر ویڈیوز شیئر کیں — سب واضح طور پر قابل شناخت ہیں — ابھی تک کسی کو انصاف کے کٹہرے میں نہیں لایا گیا۔

تیسرا، جب کوئی خوش قسمتی سے غزہ سے فرار ہو جاتا ہے تو تقریباً ہر ملک ان کے لیے بانہیں کھول دیتا ہے اور انہیں سرکاری مہمان کے طور پر قبول کرتا ہے۔ لیکن جب پاراچنار کے لوگ بحفاظت ضلع سے نکلتے ہیں تو انہیں صوبے کے دیگر حصوں میں نشانہ بنایا جاتا ہے۔ صرف پچھلے سال، 11 روڈ حملے ہوئے، جن میں سے سات ہنگو، کوہاٹ اور پشاور جیسے اضلاع میں ہوئے۔ یہاں تک کہ پشاور کے پاراچنار ہوٹل کو بھی، جہاں پاراچنار کے لوگ اپنے مرنے والوں کی آخری رسومات ادا کرتے ہیں — کیونکہ وہ اکثر انہیں پاراچنار واپس نہیں لا سکتے — کو متعدد بار نشانہ بنایا گیا۔

چوتھا، غزہ، اگرچہ موت کا علاقہ ہے، کم از کم اتنا خوش قسمت ضرور ہے کہ تقریباً ہر میڈیا پلیٹ فارم پر کوریج حاصل کر سکے۔ تاہم جب پاراچنار کی بات آتی ہے تو جب تک 50 لوگ مارے نہیں جاتے، کوئی توجہ بھی نہیں دیتا اور مرکزی دھارے کے میڈیا نے ہمیں کبھی بامعنی کوریج نہیں دی۔

آخری مگر اہم بات، کرنل صاحب، غزہ کے لوگ کم از کم دوسروں سے ہمدردی حاصل کرتے ہیں اور انسان سمجھے جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے، ہمیں طویل عرصے سے سفاک قبائلی لوگوں کے طور پر تصور کیا جاتا ہے جو صرف ایک دوسرے کو مارنے کے عادی ہیں۔"

اب ریاست کے کردار کے حوالے سے اہم ترین سوال کی طرف آتے ہیں، آپ میں سے بہت سے لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ دنیا کی طاقتور ترین فوجوں میں سے ایک ملک، جدید ترین اور جدید ترین فضائیہ اور ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود، کیسے خطے میں امن قائم کرنے اور محض 26 کلومیٹر طویل سڑک کو محفوظ بنانے میں اتنا نااہل ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب دینے کے لیے ہمیں اس مسئلے کو تین زاویوں سے پرکھنے کی ضرورت ہے: پہلا، ریاست کی منشاء۔ دوسرا، ریاست کی طرف سے آبادی کا تزویراتی استعمال؛ اور آخر میں، میڈیا پر دباؤ تاکہ پاکستان کے دوسرے حصوں سے وہاں مقیم لوگوں کے لیے کوئی ہمدردی پیدا نہ ہو۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں کو کبھی بھی صلاحیت کے مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہ انتہائی ہنرمند، طاقتور اور خطے کی وسیع پیمانے پر معلومات رکھتے ہیں۔ یہ بات اس حقیقت سے عیاں ہے کہ جب خطے میں پاک فوج کا کوئی بھی رکن مارا جاتا ہے تو وہ اپنی پوری طاقت استعمال کرتے ہیں، اور کوئی بھی سیکیورٹی اہلکاروں کو نقصان پہنچانے کی جرات نہیں کرتا۔ رپورٹ ہونے والی 6,000 اموات میں سے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کی ہلاکتیں دوہرے ہندسے میں بھی نہیں ہیں۔ مسئلہ ریاست کی منشاء کا ہے۔ وہ کبھی بھی خطے میں امن قائم کرنے کے لیے حقیقی طور پر پرعزم نہیں رہے۔ 2007 میں، جب طالبان نے علاقے میں جنگ چھیڑی اور آبادی کو گھیرے میں لے لیا تو ریاستی فورسز کی طرف سے ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی۔ اس کے بجائے، انہوں نے مقامی لوگوں کو اپنے طور پر اس خطرے کا سامنا کرنے کے لیے بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اس دوران 11 سے زائد قافلوں پر حملہ کیا گیا جب کہ سیکیورٹی اہلکار محض دیکھتے رہے۔ ان کی نگرانی میں، لوگوں کو اکثر قافلوں سے اغوا کیا جاتا تھا۔ انہیں بعد میں یا تو بے دردی سے قتل کر دیا جاتا تھا یا تاوان کے لیے تحویل میں رکھا جاتا۔ بڑے پیمانے پر خونریزی کے باوجود، یہاں تک کہ 2011 کا واحد امن معاہدہ، جسے مری معاہدے کے نام سے جانا جاتا ہے، نہ صرف طالبان کی ثالثی سے ہو بلکہ ان کی طرف سے ضمانت بھی دی گئی۔ اس سے بحران سے نمٹنے میں ریاست کی غیر سنجیدگی مزید اجاگر ہوتی ہے۔

دوم، ریاست نے قبائلی آبادی کو مستقل طور پر ایک سٹریٹجک اثاثہ کے طور پر استعمال کیا، انہیں بھاری ہتھیاروں سے لیس ہونے دیا تاکہ وہ سرحد کے رضا کار محافظوں کے طور پر کام کریں۔ انہوں نے عدم تحفظ کے احساس کو پروان چڑھایا، یہ بتاتے ہوئے کہ اگر انہیں کچھ ہوتا ہے، تو وہ خود اپنے تحفظ کے ذمہ دار ہیں۔ انضمام کے دوران قبائلی اضلاع کے لیے سالانہ 100 ارب روپے مختص کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا، لیکن یہ وعدہ کبھی پورا نہیں ہوا۔ آبادی کو تعلیم اور دیگر ضروری سہولیات سے محروم رکھا گیا ہے، جس سے ایک ایسا ماحول پیدا ہو رہا ہے جو خطے میں عسکریت پسندانہ ذہنیت اور عسکریت پسندی کو پروان چڑھاتا ہے۔

تیسرا، اور شاید سب سے اہم، مرکزی دھارے کے میڈیا کی کوریج پر عملی لحاظ سے پابندی جس سے دیگر خطوں کے لوگ پاراچنار کے لوگوں کی حالت زار پر ہمدردی کا اظہار کرنے سے قاصر ہیں۔ قبائلی تنازعات، متحارب قبائل، قبائلی عداوت، زمینی تنازعات -آپ نے مین مرکزی دھارے کے میڈیا میں پاراچنار کے بارے میں ایسی داستانیں کتنی بار پڑھی یا سنی ہیں؟ جب ہمیں میڈیا کی طرف سے مسلسل نظر انداز کیا جاتا ہے تو اس صورت میں پاکستان کے آباد علاقوں کے لوگ ہمیں غاروں میں رہنے والے قدیم شکاری قبائل کے طور پر کیوں نہ سوچیں، جو خاندانوں یا سماجی ڈھانچے سے عاری ہیں؟

اگر میں شہری پاکستان یا پنجاب میں رہتا، جہاں میڈیا دور دراز کے علاقوں میں انسانی تکالیف کا بہت کم خیال رکھتے ہوئے صرف مرکزی دھارے کی سیاست پر توجہ دیتا ہے تو میں ایسے لوگوں کی کیوں پرواہ کرتا جن کے نقصانات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا؟ صرف 700,000 کی آبادی والے ایک چھوٹے سے ضلع میں، 6000 سے زیادہ لوگ مر چکے ہیں۔ اگر 6,000 لوگ مر چکے ہیں، تو 30,000 سے زیادہ زخمی ہوئے ہیں- جن میں سے بہت سے کٹے ہوئے ہیں۔ 6,000 کی یہ تعداد آپ کو صرف ایک اعداد و شمار کی طرح کیوں نہ لگے جب یہ زندگیاں ان لوگوں کی ہیں جنہیں نام نہاد قدیم قبائلی معاشروں کا حصہ قرار دے کر مسترد کر دیا گیا ہے؟ خیبر پختونخوا کے تمام نئے ضم ہونے والے اضلاع میں پاراچنار سب سے خوبصورت جگہ ہے۔ اس کے دلکش، قدرتی پہاڑ، نہریں اور دریا ناقابل فراموش ہیں۔ ایک تنگ وادی کی طرح پہاڑوں کے درمیان واقع یہ ضلع اپنے دلکش، برف سے ڈھکے سفید پہاڑ کے لیے مشہور ہے، جسے اکثر سیاح فرانس میں مونٹ بلینک کی مثل سمجھتے ہیں۔ بدقسمتی سے اس حسین خطے کے لوگ اب تشدد کی ایک نئی لہر میں پھنس چکے ہیں۔

صرف 2024 میں، 300 سے زیادہ افراد کو بے دردی سے قتل کیا گیا، اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ بار بار ہونے والی ناکہ بندیوں کے درمیان، تازہ ترین محاصرہ 65 دنوں تک جاری رہا، جس کا کوئی خاتمہ نظر نہیں آ رہا۔ یہ 0.6 ملین مرغیوں کو پنجرے میں بند کرنے کی طرح ہے۔ لوگ محسوس کرتے ہیں کہ ریاست کی طرف سے انہیں ترک کر دیا گیا ہے اور نا امیدی کی حالت میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اپنے کھوئے ہوئے پیاروں کا ماتم کریں یا اپنے بچوں کو سخت سردی میں بیماریوں سے بچائیں، کیونکہ صحت کی سہولیات ختم ہو چکی ہیں اور اینٹی بائیوٹکس دستیاب نہیں ہیں۔ خواتین، جو پہلے ہی خطے میں پسماندہ ہیں، سب سے زیادہ متاثرہ افراد میں سے ہیں، بے بسی سے دیکھ رہی ہیں کہ کس طرح ان کے پیارے اور کمانے والے ان کی آنکھوں کے سامنے اپنی جان سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔

فرقہ واریت کی آگ میں جلتا پاکستان

اسرارالدین اسرار

پاکستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی تاریخ دلخراش اور شرمناک ہے۔ ستر اور اسی کی دہائیوں میں یہ فسادات اس وقت زور پکڑنے لگے جب ضیاء الحق مسند اقتدار پر قابض تھے۔ اس وقت اور بعد ازاں پارہ چنار سے گلگت بلتستان تک اور جھنگ سے کوئٹہ تک پاکستان فرقہ واریت کی آگ میں جلتا رہا۔ ان واقعات میں اب تک ہزاروں بے گناہ شہری لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ ہزاروں زخمی ہوئے اور ہزاروں لوگ ہجرت کر چکے ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق صرف پارہ چنار میں 2008 سے 2011 تک دو ہزار افراد فرقہ واریت کی نذر ہو گئے ہیں جبکہ پانچ ہزار لوگ زخمی اور ہزاروں لوگ ہجرت کر چکے ہیں۔ اسی طرح گلگت بلتستان میں 1988 سے 2013 تک سینکڑوں لوگ فرقہ واریت کی نذر ہو چکے، سینکڑوں زخمی، اربوں کے املاک تباہ ہونے کے علاوہ ہزاروں لوگ اندرون گلگت بلتستان اور پاکستان کے دیگر شہروں میں ہجرت کر چکے ہیں۔ کوئٹہ اور جھنگ میں طویل عرصہ تک جاری فرقہ وارانہ فسادات کی داستانیں بھی اتنی ہی دلخراش اور دردناک ہیں جتنی پارہ چنار اور گلگت بلتستان کی ہیں۔ پاکستان میں فرقہ واریت کے اس افریت کے پھیلاو کا وہ وقت بھی دیکھا گیا ہے جب ملک کے طول و عرض کے علاوہ بڑے بڑے شہروں میں فرقہ وارانہ بنیادوں پر قتل و غارتگری کی گئی۔ ان پر تشدد اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات میں خواتین اور بچوں کو بھی نہیں بخشا گیا جب کہ ملک کی کئی نامور مذہبی شخصیات بھی ان واقعات کی زد میں آ کر لقمہ اجل بن گئی ہیں۔

پاکستان میں دہائیوں سے جاری دل دہلا دینے والی فرقہ وارانہ تشدد کی تاریخ پر متعدد کتب اور تحقیقی مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ ان تحقیقی مقالوں میں ہوش ربا حقائق سے پردہ اٹھایا جا چکا ہے۔

جن میں سے 2022 میں شائع ہونے والا "پاکستان میں فرقہ واریت پر ایک گہرا تبصرہ" کے عنوان سے گورنمنٹ کالج وویمن یونیورسٹی سیالکورٹ کی لیکچرر ڈاکٹر طاہرہ ممتاز اور ان کے رفقاء کا تحقیقی مقالہ، 2010 میں شائع ہونے والا لمز کے پروفیسر محمد وسیم کا "فخر اور دکھ کے تضادات: پاکستان میں فرقہ وارانہ تنازع اور تنازع کی تبدیلی" کے عنوان سے لکھا گیا مقالہ کے علاوہ سید علی عباس کا جرنل آف پالیسی ماڈلنگ میں 2021 میں شائع ہونے والا مقالہ "پاکستان میں فرقہ وارانہ دہشت گردی: وجوہات، اثرات اور علاج" کے علاوہ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی گلگت بلتستان کے حوالے سے 2006 اور 2013 میں شائع ہونے والی فیکٹ فائنڈنگ مشنز کی رپورٹس کے علاوہ مختلف یونیورسٹیز کے پروفیسرز، طلباء، پاکستانی و بین القوامی محققین سمیت درجنوں لکھاریوں کی لکھی گئی کتابیں اور تحقیقی مقالے شامل ہیں۔

ان تحقیقی مقالوں اور فرقہ واریت کے موضوع پر دستیاب لٹریچر کی روشنی میں افغان وار سے لے کر کشمیر کی لڑائی تک جن نوجوانوں کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا یہ کسی ڈھکی چھپی کہانی نہیں ہے اور نہ یہ کہانی ڈھکی چھپی ہے کہ دنیا کی قومیں اپنے نوجوانوں کو جب قلم اور کتاب تھما رہی تھیں تب ہم اپنے نوجوانوں کو بندوق کی طاقت پر یقین رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ نوجوانوں کو تھمایا گیا وہ بندوق کسی بیرونی طاقت کے خلاف استعمال نہیں ہوا بلکہ اپنے ہی لوگوں کے قتل عام کے لئے استعمال ہوتا رہا۔ نہ صرف یہ بلکہ عالمی طاقتوں کے فرمائشی پروگرام کے تحت ہمارا نصاب اور عام لٹریچر سمیت ترانوں اور گانوں میں بھی جنگ و جدل پڑھایا اور سکھایا جاتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب یہ ہماری دوسری نسل ہے جو مکمل تشدد پر یقین رکھتی اور تربیت یافتہ ہے۔ ملک لہولہان ہے ہم اب بھی مذمتی بیانات سے آگے جانے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم یہ اعتراف کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ ہم نے جس کام کے لئے نوجوانوں کو نصف صدی تک تیار کیا تھا اس کام کو نوجوان بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ دنیا ہماری حالت پر نوحہ کناں ہیں لیکن ہمارے حکمران روایتی سوچ سے باہر نکلنے کو تیار نہیں ہیں۔ حکمران یہ اعتراف کریں کہ اس ملک کا نوجوان اب چلتا پھرتا بم بن چکا ہے۔ اس لعنت کو اب روکنا ہمارے لئے مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔

اب وقت آیا ہے کہ ملک کی پالیسیوں میں یکسر تبدیلی لائی جائے۔ فرقہ واریت کی تعلیم دینے والی فیکٹریوں پر پابندی عائد کی جائے۔ نصاب سے تشدد اور نفرت کا مواد نکالا جائے۔ مدرسوں اور پرائیوٹ سکولوں کو قومی دھارے میں لایا جائے اور ان میں زیر تعلیم طلباء و طالبات کو ہنر مند بنایا جائے۔ عبادتگاہوں کو سیاسی و فرقہ وارانہ مقاصد کے لئے استعمال پر مکمل پابندی لگا دی جائے۔ فرقہ واریت کے نام پر قائم تنظیمیں اور وار لارڈز پر مکمل پابندی لگائی جائے۔ جب تک مذکورہ طرز کے دیگر ٹھوس اقدامات نہیں اٹھائے جاتے اس وقت تک ملک فرقہ وارہت کی آگ میں جلتا رہے گا اور ہم بے گناہ شہروں کی خون آلود لاشیں اٹھاتے رہیں گے۔ دنیا ہمارے اوپر ہنستی رہے گی اور ہم شتر مرغ کی مانند اپنا آنکھیں اور سر چھپاتے رہیں گے یہاں تک کہ ایک دن یہ خطرناک خون کی ہولی سب کچھ بہا کر لے جائے گی۔

انسانی حقوق کے عالمی دن پر حقوق کے تحفظ کے لیے جدوجہد کا عزم

انسانی حقوق کے عالمی دن پر جاننے کی 5 اہم باتیں

انسانی حقوق کے عالمگیر اعلامیہ کا ابتدائی مسودہ

آج انسانی حقوق کا عالمی دن منایا جا رہا ہے جو دنیا بھر میں تمام لوگوں کے لیے مساوات، انصاف اور وقار کی اہمیت یاد دلانے کا موقع ہے۔ 'ہمارے حقوق، ہمارا مستقبل، ابھی اور اسی وقت' امسال اس دن کا خاص موضوع ہے جو عالمگیر مسائل پر قابو پانے کے اقدامات میں انسانی حقوق کی دائمی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ اقوام متحدہ کے دفتر برائے انسانی حقوق (او ایچ سی ایچ آر) نے اس سال حقوق کے فروغ و تحفظ کے لیے عملی اقدامات شروع کرتے ہوئے اس معاملے پر آگاہی بیدار کرنے اور دقیانوسی تصورات کو تبدیل کرنے کی منصوبہ بندی کی ہے۔ انسانی حقوق کے حوالے سے درج ذیل پانچ حقائق کے بارے میں سبھی کو آگاہ ہونا ضروری ہے۔

1۔ انسانی حقوق: عالمگیر اور ناقابل انتقال

انسانی حقوق ریاستوں کی جانب سے لوگوں کو نہیں دیے جاتے بلکہ ہر جگہ ہر فرد انسان ہونے کے ناطے ان کا مالک ہے۔ یہ حقوق نسل، صنف، قومیت یا اعتقادات سے ماورا ہیں اور تمام لوگوں کے لیے خلقی مساوات اور وقار کو یقینی بناتے ہیں۔ ان میں انسانی حقوق کے عالمگیر اعلامیے کے آرٹیکل 3 میں طے کردہ زندگی کے حق سمیت بنیادی حقوق اور تعلیم و صحت تک رسائی جیسے ایسے حق بھی شامل ہیں جو زندگی کو بہتر انداز سے جینے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ اعلامیہ دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ مرتبہ ترجمہ ہونے والی دستاویز ہے جو اس وقت 500 سے زیادہ زبانوں میں دستیاب ہے۔ انسانی حقوق ناقابل انتقال ہوتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں مخصوص قانونی حالات کے علاوہ کسی سے چھینا نہیں جا سکتا۔ جائز قانونی کارروائی کے بعد کسی کو دی جانے والی قید کی سزا بھی ایسے ہی حالات میں شمار ہوتی ہے۔

2۔ مساوی، ناقابل تقسیم اور باہم منحصر حقوق

انسانی حقوق کے ناقابل تقسیم اور باہم منحصر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر کسی ایک حق کی تکمیل کا انحصار دوسرے حق پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، انتخابات میں حق رائے دہی استعمال کرنے جیسے سیاسی حقوق سے کام لینے کے لیے تعلیم کا حق ضروری ہے۔ اسی طرح، زندگی اور وقار کے حقوق صحت اور صاف پانی تک رسائی کے حقوق سے وابستہ ہیں۔

پیچیدہ عالمی مسائل سے نمٹنے کے لیے حقوق کے اس باہمی ربط کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ کسی ایک جگہ مسائل پر قابو پانے سے صنفی مساوات اور غربت کے خاتمے میں بھی مدد ملتی ہے۔ دوسری جانب، کوئی ایک حق نظرانداز کرنے سے افراد اور معاشروں کو کئی طرح سے نقصان پہنچتا ہے۔

3۔ حقوق کا عالمگیر اعلامیہ: فیصلہ کن اقدام

انسانی حقوق مختلف اعلامیوں، معاہدوں اور قانونی دستاویزات کے ذریعے ترتیب دیے گئے پیچیدہ اصول ہی نہیں بلکہ قابل عمل ضابطے بھی بن گئے ہیں۔ دوسری عالمی جنگ میں ڈھائے گئے مظالم کے بعد 1948 میں اس اعلامیے کی منظوری عمل میں آئی تھی جو عالمگیر انسانی حقوق پر دنیا کا پہلا جامع بیان تھا۔ انسانی حقوق کے بین الاقوامی قانون کی بنیاد کے طور پر اس اعلامیے کی 30 دفعات مساوات اور آزادی سے لے کر تشدد سے تحفظ تک بہت سے حقوق و آزادیوں کا احاطہ کرتی ہیں اور اسی کی بنیاد پر دنیا نے 80 سے زیادہ بین الاقوامی معاہدے کیے ہیں۔ شہری و سیاسی حقوق پر عالمی معاہدے اور معاشی، سماجی و ثقافتی حقوق کے معاہدے سمیت یہ اعلامیہ انسانی حقوق کا عالمگیر قانون کہلاتا ہے۔

4۔ ممالک کی ذمہ داری اور افراد کے لیے مدد

تمام ممالک نے انسانی حقوق کے نو بنیادی معاہدوں اور نو اختیاری مجموعہ ہائے ضوابط میں سے کم از کم ایک کی منظوری دے رکھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بین الاقوامی قانون کے تحت ممالک اور ریاستوں کی ذمہ داری اور فرض ہے کہ وہ انسانی حقوق کا احترام، تحفظ اور ان کی تکمیل کریں گے۔ علاوہ ازیں، انسانی حقوق کے معاہدے افراد اور معاشروں کے لیے ایسا نظام بھی پیش کرتے ہیں جس کی بدولت وہ اپنے حقوق کی تکمیل کا مطالبہ اور تبدیلی کے لیے کام کر سکتے ہیں۔ 'فرائیڈے فار دی فیوچر' جیسی نوجوانوں کے زیر قیادت نچلی سطح پر چلائی جانے والی تحریکوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیسے انسانی حقوق موسمیاتی انصاف کے مطالبات کو تقویت دے سکتے ہیں۔

5۔ انسانی حقوق کا دن: عملی اقدامات کا موقع

انسانی حقوق کا عالمی دن ہر سال منایا جاتا ہے جو اس معاملے میں اب تک حاصل ہونے والی کامیابیوں اور جاری جدوجہد کے بارے میں غوروفکر کا موقع مہیا کرتا ہے۔ اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق وولکر ترک نے اس دن پر اپنے پیغام میں کہا ہے کہ انسانی حقوق کا تعلق لوگوں سے ہے۔ ان کا تعلق ہر انسان اور اس کی زندگی، اس کی ضروریات، خواہشات اور خدشات سے ہے۔ ان کا تعلق زمانہ حال اور مستقبل کی امیدوں سے ہے۔ عالمگیر اعلامیے کی 76ویں سالگرہ بحرانوں کے دور میں امتناعی، حفاظتی اور انقلابی قوت کے طور پر انسانی حقوق کی طاقت کو واضح کرتی ہے۔

(بشکریہ یو این خبر نامہ)

"انسانی حقوق کے عالمی دن" کے موقع پر انسانی حقوق کی تنظیموں کے نام کھلا خط

آج انسانی حقوق کا عالمی دن ہے اور پاکستان بھر کی طرح پاکستان کے زیر انتظام گلگت بلتستان کے سیاسی کارکن زیر عتاب ہیں۔ خطہ بے آئین میں حق کے لئے بات کرنا بغاوت کے زمرے میں آتا ہے۔ یہاں اسپیشل کورٹ (انسداد دہشتگردی کی عدالت) دہشتگردوں سے زیادہ پرامن سیاسی کارکنوں کے لئے بنائی گئی ہے جس میں درجنوں حق پرستوں کے مقدمات موجود ہیں۔ یہاں شیڈول فور اور اے ٹی اے ان لوگوں پر لاگو ہوتا ہے جو قلم اور کاغذ، تحریر و تقریر کے ذریعے بنیادی حقوق کی بات کرتے ہیں۔ اس وقت مختلف پارٹیوں کے سینکڑوں کارکنان سیاسی مقدمات بھگت رہے ہیں۔ قراقرم نیشنل موومنٹ کے سابق چیئرمین محمد جاوید اور سابق وزیراعلیٰ کے سابق ترجمان علی تاج اس وقت جیل میں ہیں جبکہ ایک دن پہلے عوامی ایکشن کمیٹی گلگت بلتستان کے چیئرمین احسان علی ایڈوکیٹ کو "انسانی حقوق ایوارڈ" لینے جاتے ہوئے راولپنڈی میں گرفتار کر کے تین گھنٹوں تک وارث خان تھانے میں بند رکھا گیا۔ بعدازاں عوامی دباؤ پر رہا کیا گیا۔ اس کے علاوہ عوامی ایکشن کمیٹی کے رہنما ایڈوکیٹ شیر حسن، مقبول کو ڈیڑھ ماہ بعد گاہکوچ جیل سے رہا کیا گیا۔ اس کے علاوہ مجھ سمیت درجنوں سیاسی کارکن اے ٹی سی گلگت میں سیاسی مقدمات کا سامنا کر رہے ہیں۔ اور یہ انسانی حقوق کی تنظیموں کے منہ پر طمانچہ ہے۔ عوامی ورکرز پارٹی گلگت بلتستان انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر انسانی حقوق کی تنظیموں، وکلاء تنظیموں، ہیومن رائٹس واچ، ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان، ہیومن رائٹس کونسل، یونائیٹڈ نیشن ہیومن رائٹس کمیشن سمیت تمام اداروں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ گلگت بلتستان کے پرامن سیاسی تنظیموں کے رہنماوں کی رہائی، مقدمات کے خاتمے، انسداد دہشتگردی ایکٹ کے خاتمے، شیڈول فور سمیت کالے قوانین کے خاتمے کے لئے اقدامات کریں اور متنازعہ گلگت بلتستان میں انسانی حقوق کی پامالی کا نوٹس لیں۔

(شیر نادر شاہی)

خواجہ سراء افراد میں منشیات کا بڑھتا ہوا استعمال

سنیہ ضرار

خواجہ سراء افراد پاکستانی معاشرے کا وہ حصہ ہے جس سے آج کے دور میں کافی لوگ ہمدردی تو رکھتے ہیں لیکن کوئی بھی ان سے معاشرتی طور پر تعلق نہیں رکھنا چاہے گا۔اب ایک انسان جس کو کوئی بیماری نہیں، کوئی معذوری نہیں پھر بھی لوگ ان سے صرف ہمدردی رکھتے ہیں اور کوئی تعلق نہیں۔۔۔ایسے میں ایک انسان زندہ رہنے کے لیے کیا کرے؟ شاید منشیات کا استعمال ہی کرے۔

خواجہ سراء افراد میں منشیات کے استعمال کی اصل وجوہات جاننا بہت ضروری ہے۔چلیں کچھ دیر کے لیے آپ سوچیں کہ ایک بچہ جس کی پیدائش کے وقت سب نے اولاد نرینہ کی خوشیاں منائی ہوں، جس کی پیدائش کے وقت ماں باپ نے سوچا ہو کہ یہ ان کے بڑھاپے کا سہارا بنے گا، اور جب وہی بچہ بڑے ہوتے ہی ایک لڑکے کی بجائے اپنے لیے ایک لڑکی کی شناخت اختیار کرنا شروع کرے تو سب سے پہلے انہی ماں باپ کا سپنا ٹوٹتا ہے جو اسے اپنے بڑھاپے کا سہارا بنانا چاہتے تھے۔ویسے یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ ماں باپ صرف بیٹے سے ہی کیوں امیدیں لگاتے ہیں حالانکہ بیشتر بیٹیاں تو "پرائی" ہو جانے کے باوجود بھی مرتے دم تک اپنے ماں باپ کا ساتھ نبھاتی ہیں۔خیر یہ ایک اور بحث ہے۔تو وہ بچہ جب ایک مرد نہیں بلکہ ایک عورت کے طور پر اپنی شناخت بنانا شروع کرتی ھے تو اب وہی ماں باپ جنہوں نے اس بچے کی پیدائش پر خوشیاں منائی ہوتی ہیں اب اس کو دھتکارنا شروع کرتے ھیں، باپ کہتا ہے کہ اس ذنخے نے ناک کٹا دی، ماں چیختی ہے کہ خدارا مرد بن جا۔۔۔اور وہ بچہ بس حیرانگی سے سب کو دیکھ رہا ہوتا ہے کہ جو اس کے بس میں نہیں اس کا اس سے شکوہ کیسا، اس میں اس کا قصور کیسا؟ وہ تو ماں باپ سے ایک ہی سوال کرتی ہے کہ میں تو آپ لوگوں کی وجہ سے دنیا میں آئی، مجھے نہیں پتہ میرا مسئلہ کیا ہے کیونکہ میں کوئی ڈاکٹر یا ماہر نفسیات یا کوئی تشخیصی طبیب نہیں۔۔، میں تو بس آپ کی اولاد ہوں۔۔۔مجھے صرف پیار کرو، مجھے صرف بیٹی مانو، مجھے صرف انسان سمجھو۔۔۔۔۔

پر نہیں ماں باپ کا تو اپنی جائداد کے وارث اور اپنی نسل بڑھانے کا سپنا ٹوٹا ہے، اور اس بچے کی جرت کیسے ہوئی کہ وہ اپنے ماں باپ کی خواہشات کو "رد" کرے۔۔۔

وہی بچی اب بڑی ہو چکی ہے اور گھر سے بھاگنے کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تو وہ یہی ٹھیک سمجھتی ہے کہ چلو اپنے

جیسوں کے پاس بھاگ جاتی ہوں۔۔۔

جس کو ماں باپ نے نہیں اپنایا تو اس کو کوئی گرو ماں یا باپ بن کر کیسے اپنائے گی؟ ایک گرو بھی تو زیادہ سے زیادہ یہی تسلی دے سکے گی کہ اب جو ہے سو ہے، اب جاؤ اور جا کر پیسے کماؤ چاہے جسم بیچ کر یا روح بیچ کر۔۔۔۔۔۔

اب وہی خواجہ سرا جو ایک عورت ہونے کے ناطے بلوغت پر پہنچ کر ایک مرد سے ہی جذباتی تعلقات بناتی ہے اور ہمارے معاشرے کے مرد بھی تو اسی سوچ میں پلے بڑھے ھیں، جس سوچ کی وجہ سے اسی خواجہ سرا بچی کے ماں باپ نے اسے دھتکارہ تھا، اسی سوچ کی بنا پر اس خواجہ سرا کی گرو نے اس کو "ہر طرح" سے پیسے کمانے کا کہا تھا، اسی سوچ کے ساتھ، کوئی مرد کسی خواجہ سرا سے شادی کا وعدے کر کے اس کے ساتھ ہر طرح کا وقتی تعلق تو بنا سکتا ہے لیکن شادی نہیں کرے گا، وہی مرد اس خواجہ سراء عورت کے پیسوں سے تو محبت کر سکتا ہے پر معاشرے کے سامنے اس کا ہاتھ نہیں تھام سکتا، وہی مرد اس خواجہ سراء عورت کو ہراساں کرنے کے لیے اس کی نیم برہنہ ویڈیو تو لیک کر سکتا ہے پر عزت کے ساتھ اس کو معاشرے کے سامنے اپنا نہیں سکتا۔۔۔شادی تو وہ مرد اسی لڑکی سے کرے گا جس سے اپنی نسل چلا سکے، اب ایک خواجہ سرا تو صرف جنسی تسکین دے سکتی ہے، پر شاید اولاد نہیں۔۔۔ماں باپ اور معاشرے کے لیے فخر تو نہیں؟ تو سوچیں اب اسی خواجہ سرا کو جو مرد بھی ملتا ہے وہ بھی اپنے نصیب جیسا ہی۔۔۔۔

تو زندگی کی شروعات سے لے کر بیس تیس سال کی عمر تک اگر ایک انسان اتنا سب کچھ برداشت کر چکا ہو تو پھر ایسے میں منشیات کا استعمال تو چھوٹی بات لگتی ہے، جس کو ماں اور باپ نے چھوڑ دیا ہو، بہن بھائیوں نے رد کر دیا ہو اور جسے مردوں نے صرف ہوس کا نشانہ بنایا ہو اور انہی وجوہات کی بنا پر معاشرے نے ان کی بربادی میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہو، جس معاشرے میں سیاستدان تک اپنے اجلاس میں خواجہ سراء عورتوں سے منسوب ہتک آمیز لفظ " کھسرے " کا استعمال کر کے اپنے مخالفین کا مذاق اڑاتے رہے ہوں اور لوگ ہنستے رہے ہوں تو ایسے معاشرے سے خواجہ سرا عورتیں کیا ہی بھلائی کی امید لگائیں۔۔۔۔

ذرا سوچیں جس معاشرے میں صدیوں سے خواجہ سراء موجود ہوں اور صدیوں سے ان کو ایک تیسری جنس کے خانے میں ڈال کر معاشرے سے الگ رکھا ہو، جن کی پیدائش سے ایک ذہنی کشمکش کی جنگ چل رہی ہو، اور معاشرہ ان کو ہی قصوروار ٹھہرا رہا ہو، تو پھر وہ منشیات کا استعمال بھی نہ کریں تو اور کیا کریں۔۔۔

وقت شاید اب سوچ بدلنے کا نہیں بلکہ خواجہ سرا عورتوں کے لیے عملی کردار ادا کرنے کا ہے۔۔۔تو کم از کم سوچیں کہ آپ کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

پاکستان کو ملائیت کے خوف کے حصار سے نکالنا ہوگا

منور علی شاہد

جناب آصف علی زرداری آج کل دوسری بار صدر پاکستان کے منصب پر فائز ہیں۔ پہلی بار صدر مملکت کی ذمہ داری نبھانے کے بعد بحیثیت سابق صدر پاکستان ان کا ایک بیان یوم آزادی 2018 کے موقع پر قومی اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ نوائے وقت نے اس بیان سے جو شہ سرخی لگائی تھی وہ کچھ یوں تھی کہ ’’ پاکستان کو ملائیت کی ریاست بنانے کی ہر کوشش مسترد کرتے ہیں، زرداری‘‘۔ آگے تفصیل میں اس بیان کا متن کچھ یوں ہے کہ ’’ پاکستان کو ایک جمہوری، ترقی پسند، لبرل اور فلاحی مملکت بنائیں گے۔ پاکستان کو ایک ترقی پسند ریاست بننے کے لئے عوام کی فلاح و بہبود مقدم رکھنی پڑے گی اور ملک کو خوف کے حصار سے نکلنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ آج کے روز ہم پاکستان کو ملائیت کی ریاست بنانے کی ہر کوشش کو مسترد کرتے ہیں۔ پاکستان کبھی ملائیت کے لئے نہیں بنا تھا۔ اسے کبھی بھی ملائیت کی ریاست نہیں بننے دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو ایک جمہوری اور ترقی پسند ملک بننے میں بڑی رکاوٹ وہ تنظیمیں ہیں جو نئے ناموں کے ساتھ دوبارہ سر اٹھا چکی ہیں اور پاکستان کے لئے خطرہ بن چکی ہیں۔ انہوں نے عوام کو عسکریت پسندوں اور مذہبی منافقین سے آخری دم تک لڑنے کے لئے کہا۔ (روزنامہ نوائے وقت 14 اگست 2018)۔ جاری کردہ بیان کا متن بلا شبہ ملکی و قومی مفاد میں تھا اور متقاضی تھا کہ اس پر عمل درآمد بھی کیا جاتا۔ لیکن ایسا ہوا نہیں اور جس کا نتیجہ موجودہ حالات کی شکل میں سامنے موجود ہے۔ سابق صدر مملکت پاکستان نے جس ملائیت کے خطرہ کی نشاندہی کی تھی وہ اب 2024 میں ان کے آبائی صوبہ سندھ میں پہنچ چکا ہے اور خوب رنگ دکھا رہا ہے۔ اور آپ دوسری بار صدر مملکت کے عہدہ پر فائز ہیں لیکن پھر بھی یہ ملائیت پھل پھول رہی ہے۔ بدقسمتی سے

انسان تو انسان جانور بھی اس کی زد میں ہیں۔ سندھ میں ایک اونٹ کا پاؤں کاٹنے کے دلخراش واقعہ کے بعد میر پور خاص میں سو سے زائد بے زبان بکریوں کو زہر دیکر ہلاک کر دیا گیا۔ سال رواں 2024 میں عمر کوٹ سندھ میں ماہ ستمبر میں مقامی ڈاکٹر شاہنواز کو جس طرح جھوٹے مقدمہ میں ملوث کر کے قتل کرنے کے بعد اس کی نعش کی بے حرمتی کرنے کے بعد جلانے کی کوشش کی گئی اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس خطے میں بھی انتہا پسندی جڑ پکڑ چکی ہے۔ 13 دسمبر کو میر پور خاص میں ہی ایک احمدی شہری امیر حسن مرڑانی کو فجر کی نماز پر گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس سے قبل سندھ کے مختلف شہروں میں احمدیوں کی عبادت گاہوں پر حملے کئے گئے فائرنگ کی گئی میناروں کو توڑا گیا اور مقامی احمدیوں کے لئے خوف و ہراس کی فضا کو مزید پھیلایا گیا۔ میر پور خاص اور عمر کوٹ کے علاقے خاص طور پر ملائیت کا ٹارگٹ بنے ہوئے ہیں۔ مقام افسوس ہے کہ اس ملائیت کی وجہ سے نہ عبادت گاہیں محفوظ ہیں اور نہ عبادت کرنے والے۔ اخبارات کی خبروں کے ریکارڈ کے مطابق سال رواں میں اب تک طاہر اقبال چیمہ 4 مارچ کو بہاولپور، راحت احمد باجوہ اور غلام سرور کو 8 جون کو منڈی بہاولدین، ڈاکٹر ذکاء الرحمٰن 27 جولائی کو لالہ موسیٰ گجرات میں مذہبی انتہا پسندوں کا نشانہ بن چکے ہیں۔ یہ سبھی احمدی تھے۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ماہرین نے جولائی 2024 میں پاکستان میں احمدیوں پر بڑھتے ہوئے تشدد اور امتیازی سلوک پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے اور حکومت سے انہیں تحفظ دینے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ جناب صدر مملکت صاحب، ان حالات میں وطن عزیز کی بقاء اور سلامتی کے لئے بڑھتی ہوئی ملائیت کے آگے بند باندھنے کے لئے اسی فکر اور عزم کی اشد ضرورت ہے جیسا کہ پارلیمنٹ کے اندر ترامیم کی منظوری کے لئے دکھائی جاتی ہے۔ اس کو بھی اندرونی ملکی سلامتی اور بقا کا مسئلہ سمجھا جانا چاہئے کیونکہ انسانی جانوں کا معاملہ ہے جن کی حفاظت کرنا ریاست کی اولین ذمہ داری بھی ہے۔ اسی ماہ 5 دسمبر 2024 کو راولپنڈی میں دن دہاڑے ایک پاکستانی احمدی شہری طیب احمد کو عقیدہ کی بنیاد پر کلہاڑی سے ذبح کیا گیا تھا۔ ذرائع ابلاغ کی خبروں کے مطابق جب قاتل مہمان مقتول پر کلہاڑی سے وار کر رہا تھا تو مقتول کے منہ سے نکلا تھا کہ ’’ مجھے نہ مارو میں یہاں مہمان آیا ہوں‘‘۔ اپنی جان بچانے کی خاطر شاید مقتول کی یہ آخری کوشش تھی جو ناکام ہوئی اور تیس سالہ نوجوان ظالم قاتل نے ایک نہ سنی اور ایک ناحق معصوم انسان کو خون میں نہلا کر اپنی اس نفرت کی آگ بجھائی جس کا سبق دہائیوں سے معاشرے کے اندر ذرائع ابلاغ اور سرکاری سرپرستی میں پڑھایا جا رہا ہے۔ ’’ مجھے نہ مارو میں یہاں مہمان آیا ہوں‘‘ جملہ پڑھ کر 24 سال قبل میو ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں زخمی حالت میں خون آلودہ چہرہ کے ساتھ بیڈ پر لیٹے اس معصوم لڑکے کا جملہ ذہن میں گونجنے لگا تھا جو اس کے لرزتے کانپتے ہونٹوں سے نکلا تھا کہ ’’ میرے ابو کہاں ہیں؟‘‘۔ اس لڑکے کے والد اور چچا دونوں فجر کی نماز کے وقت مذہبی دہشت گردی کے حملہ میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور یہ لڑکا دیگر زخمیوں کے ساتھ لاہور کے ہسپتال میں موجود تھا۔ یہ 30 اکتوبر 2000 کی صبح تھی اور ضلع سیالکوٹ میں واقع گھٹیالیاں میں احمدیہ عبادت گاہ میں نماز فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد واپس گھروں کو جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ اسی دوران عبادت گاہ پر دہشت گردوں نے حملہ کیا تھا۔ کلاشنکوفوں سے مسلح افراد نے اندر داخل ہوتے ہی وحشیانہ طریقے سے فائرنگ شروع کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے عبادت گاہ انسانی خون اور گوشت سے آلودہ ہو گئی تھی۔ مذہبی دہشت گردی کے اس واقعہ میں چار احمدی ہلاک ہوئے تھے جبکہ متعدد شدید زخمی تھے جن میں بچے بھی شامل تھے۔ زخمیوں کو بعد ازاں علاج کے لئے لاہور کے میو ہسپتال میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ممبرز کی حیثیت سے ہم ان زخمیوں کی عیادت کے لئے میو ہسپتال پہنچے تھے۔ پولیس کا کڑا پہرہ تھا۔ وارڈ میں داخل ہوئے تو وہاں خون آلودہ کپڑوں اور بستروں کو دیکھ کر سبھی ساکت ہو کر رہ گئے تھے۔ ہم کو الگ الگ بیڈ پر جانا تھا جہاں زخمی لیٹے ہوئے تھے۔ میں اس بیڈ کے پاس گیا جہاں دس گیارہ سال کا لڑکا نیم بیہوشی کی حالت میں لیٹا ہوا تھا۔ ایک نرس پاس کھڑی تھی۔ اس نے مجھے اس بچے کی حالت کے بارے بتایا تو میں نے بچے کے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ میری نظریں اس معصوم سے چہرہ پر تھیں جس کے پھول جیسے گال پر ابھی بھی خون کے نشان موجود تھے۔ بچے نے میرے ہاتھ کا لمس محسوس کیا تو بے ساختہ ایک جملہ اس کے منہ سے نکلا تھا جو مجھے آج بھی یاد ہے اور شاید کبھی بھی بھلا نہ پاؤں اور وہ جملہ یہ تھا کہ ’’ میرے ابو کہاں ہیں؟ یہ جملہ کہتے ہوئے میرے ہاتھوں پر بچے کے گرم گرم آنسوؤں کے قطرے گر رہے تھے۔ اس مذہبی دہشت گردی میں اس معصوم زخمی بچے کے والد اور چچا دونوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ نیم بے ہوشی کے عالم میں بھی وہ اپنے شفیق باپ کو یاد کر رہا تھا جو دنیا میں نہیں رہے تھے۔ بچے کے اس سوال کا جواب نہ کسی کے پاس ہے اور نہ کوئی دے سکے گا۔ کیونکہ یہاں ہوس اقتدار میں سبھی بہرے بھی ہیں اندھے بھی اور گونگے بھی۔ اگست 2009 میں گوجرہ میں جب مسیحوں کی پوری کالونی جلا ڈالی گئی تھی تو بھی وہاں دلخراش مناظر میں ایک منظر ایک جلے ہوئے گھر میں دیکھنے کو ملا۔ جل کر خاکستر ہونے والے ایک گھر میں جب داخل ہوتے ہی ہر طرف دھواں دیکھا تو ایک طرف صحن کے کونے میں ایک عورت دو اینٹوں کا ایک چولہا بنا کر کچھ پکا رہی تھی اور قریب ہی چند سال کا لڑکا بھی بیٹھا تھا۔ عورت سے جب آنکھیں ملیں تو آنکھوں میں نمی اور دکھ درد اور بے بسی اور لاچارگی عیاں تھیں۔ خوف و دہشت کے وہ مناظر بھی بھلائے نہیں بھولتے۔ اسی طرح جون 2006 میں جنڈو ساہی سیالکوٹ میں احمدی گھروں اور دوکانوں کو لوٹنے کے بعد آگ لگا دی گئی تھی جس میں ایک عبادت گاہ بھی شامل تھی۔ وہاں بھی چھپے ہوئے پاکستانی احمدی متاثرین میں سے ایک نے روتے ہوئے یہ بتایا تھا‘‘ کہ میری بیٹی کا سارا جہیز بھی لوٹ کر لے گئے اور گھر کو آگ لگا دی گئی ’’۔ جڑانوالہ کا واقعہ بھی ابھی زیادہ پرانا نہیں ہوا سبھی کو یاد ہے کہ وہاں کیسی بربریت کی گئی تھی۔ کرم کے علاقے میں تین دن کی لڑائی میں سو سے زائد انسان لقمہ اجل بنے۔ تسلسل کے ساتھ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ پاکستان اندرونی طور پر سازشوں میں گھر چکا ہے اور پاکستان مخالف قوتیں پاکستان کا امیج عالمی سطح پر خراب کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں اور یہ سب کچھ ملائیت کے جھنڈے تلے ہو رہا ہے۔ آپ اپنی آئینی ذمہ داری نبھاتے ہوئے پاکستان کو شدید اندرونی خطرات سے بچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اپنے سابقہ بیان کی روشنی میں ملک کو خوف کے حصار سے نکالیں اور بانی پاکستان کے تصورِ پاکستان کو زندہ کریں جو آزادی کے بعد سے اب تک پس پشت ڈالا گیا ہوا ہے۔

یونیورسٹیوں کی خودمختاری متاثر ہونے کا خدشہ

ڈاکٹر توصیف احمد خان

سندھ حکومت کے یہ فیصلے سرکاری یونیورسٹیوں کی ہیت کو تبدیل کردیں گے

سندھ کابینہ نے اب یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز کی تقرری کے ضابطے میں تبدیلی کی منظوری دے دی ہے۔ حکومت سندھ کے ایک فیصلے کے مطابق وائس چانسلر کے لیے اہلیت متعلقہ شعبہ میں ماسٹر ڈگری کے ساتھ مکمل پروفیسر شپ کے علاوہ گریڈ 21 کا بیوروکریٹ بھی وائس چانسلر بننے کا اہل ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی حکومت نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ اب غیر تدریسی عملے کے علاوہ ٹیچرز کا تقرر بھی کنٹریکٹ کی بنیاد پر ہوگا۔ سندھ کابینہ نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ تعلیمی بورڈز کے مسائل حل کرنے کے لیے سندھ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن آرڈیننس میں ترمیم کی جائے گی۔ اب بورڈ کے چیئرمین بھی بیوروکریٹ ہوں گے۔

سندھ حکومت کے یہ فیصلے سرکاری یونیورسٹیوں کی ہیت کو تبدیل کردیں گے۔ جدید تعلیمی نظام میں تعلیم کے مختلف مدارج میں جدید نظام میں پہلا مرحلہ اسکول کی تعلیم کا ہے۔ اسکول میں بچے کی شخصیت بننے کا عمل شروع ہوتا ہے۔ بچہ بنیادی چیزیں سیکھتا ہے۔ اسکول میں استاد اس کا آئیڈیل ہوتا ہے، پھر کتابیں شامل ہوجاتی ہیں اور بچے کو زبانوں کے علم کے ساتھ لکھنا اور پڑھنا آتا ہے۔ ایک وقت تھا جب اسکول کا استاد بچے پر جسمانی تشدد کرنے کا حق رکھتا تھا مگر تعلیم پر ہونے والی تحقیق کے نتیجے میں بچوں کے حقوق کا تصور آیا اور پھر بچے کو سوال کا حق بھی مل گیا۔

بچہ میٹرک کرنے کے بعد کالج میں جاتا ہے۔ کالج میں خاصا آزادانہ ماحول ہوتا ہے۔ اب بچے کو خاصی آزادی ملتی ہے۔ اسکولوں میں بچوں کی تنظیمی صلاحیتوں کو ابھارنے کے لیے کلاس کا نمایندہ CR بننے کا موقع ملتا ہے۔ کچھ اسکولوں میں مختلف نوعیت کی سوسائٹیاں بھی قائم ہوتی ہیں۔ ایک زمانے میں جب طلبہ یونین کا ادارہ موجود تھا تو طالب علم جمہوری رویے سے آشنا ہوتا تھا۔ مختلف طلبہ تنظیموں سے بھی اس کا واسطہ پڑتا ہے مگر اسکول اور کالج میں ابھی طلبہ کو تحقیق کا موقع نہیں ملتا مگر برطانوی نظام تعلیم O لیول اور A لیول میں نصاب جدید سائنسی بنیادوں پر مرتب کیا جاتا ہے، اس بناء پر طلبہ کو مختلف موضوعات پر تحقیق کا موقع ملتا ہے۔

دنیا بھر میں یونیورسٹی کا تصور مختلف ہے۔ یونیورسٹی کے بنیادی فرائض میں تدریس کے علاوہ تحقیق بھی شامل ہے۔ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ یونیورسٹی میں طلبہ اور اساتذہ ایک کھلے ماحول میں ہر موضوع پر تحقیق کریں گے اور تحقیق کے ذریعے معاشرے اور ریاست کو نئے نظریات سے آگاہ کریں گے۔ یونیورسٹی کے اساتذہ طالب علموں کے لیے نصاب بھی خود تیار کریں گے اور وقت کے ساتھ اس نصاب میں تبدیلی کی جائے گی۔

اساتذہ اور طلبہ یونیورسٹی کے اداروں میں شامل ہوکر اس کا نظام چلائیں گے۔ اسی بناء پر یونیورسٹی کو مکمل خودمختاری دی جاتی ہے۔ یونیورسٹی کے بنیادی ادارے اساتذہ اور طلبہ کے لیے قوانین بھی تیار کریں گے۔ اس سارے عمل کو علمی آزادی کہا جاتا ہے۔ یورپ کی قدیم یونیورسٹیاں آج بھی علمی آزادی کے ادارے کی بناء پر دنیا بھر میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ یہ یونیورسٹیاں زندگی کے ہر شعبے میں تحقیق پر اربوں روپے خرچ کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طبی سائنس میں ہونے والی تحقیق کی راہ پر نئی دوائیاں ایجاد ہوتی ہیں۔ معاشیات میں ہونے والی تحقیق سے عام آدمی کو درپیش مسائل کے حل کے لیے راستہ ہموار ہوجاتا ہے۔

پاکستان میں گزشتہ صدی میں یونیورسٹیوں میں تحقیق کا رجحان نہیں تھا۔ ایم اے اور ایم ایس سی میں کسی موضوع پر تحقیق کو اضافی مضمون کا درجہ حاصل تھا اور محدود پیمانے پر ایم فل اور پی ایچ ڈی ہوتا تھا۔ طبی سائنس اور انجینئرنگ یونیورسٹیوں میں تو تحقیق ہوتی نہیں تھی۔ یہ یونیورسٹیاں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لیے اپنے اساتذہ کو امریکا اور یورپی ممالک میں بھیجتی تھیں۔ صرف چند نوجوان اپنے خرچ پر یورپی اور امریکی یونیورسٹیوں میں تحقیق کرتے تھے مگر نئی صدی کے آغاز کے ساتھ دنیا بھر میں یونیورسٹیوں کے بنیادی ڈھانچے میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

اب یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی جگہ ہائرایجوکیشن کمیشن (ایچ ای سی) وجود میں آیا۔ ایچ ای سی نے دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں نافذ نئے کورس رائج کیے اور بی ایس کی سطح سے تحقیق کا مضمون تدریس میں شامل ہوا اور پہلے سمسٹر سے تحقیق لازمی حیثیت اختیار کرگئی، یوں ایم ایس اور پی ایچ ڈی یونیورسٹی اساتذہ کے لیے لازمی قرار پائے۔ ایچ ای سی بہت سی وجوہات کی بناء پر تحقیق کے لیے ویسے فنڈز فراہم نہیں کرسکتا جیسے فنڈز بھارت، جاپان، یورپ اور امریکا کی یونیورسٹیوں کے پاس ہوتے ہیں۔ ریاستی بحرانوں کی بناء پر یونیورسٹی کو ملنے والی گرانٹ کم ہوئی۔

ایچ ای سی کے سربراہوں نے یہ بیانیہ اختیار کیا کہ یونیورسٹیاں مالیاتی خودمختاری کے لیے فیسوں میں اضافہ کریں۔ اس صورتحال میں فی کورس کی فیس میں کئی گناہ اور بعض مضامین کی فیسوں میں کئی سو گنا اضافہ ہوا۔ تعلیمی آڈٹ نہ ہونے کی بناء پر غیر معیاری پی ایچ ڈی کے تھیسز بھی سامنے آئے۔ اس کے ساتھ ہی علمی سرقہ نویسی Plagiarism کا رجحان بھی تقویت پا گیا مگر مجموعی طور پر پاکستان کی یونیورسٹیاں ایک جدید دور میں داخل ہوئیں۔

یونیورسٹی کے مسائل کو سمجھنے اور معیارِ تعلیم کو بلند کرنے اور دنیا بھر میں یونیورسٹیوں میں تحقیق کے نتیجے میں سامنے آنے والے نئے رجحانات کو پاکستان یونیورسٹیوں میں رائج کرنے کا فریضہ وہی شخص بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے جو یونیورسٹی کلچر میں ابھر کر سامنے آیا ہو اور خود تحقیق کی ہو، وہ شخص صرف پروفیسر ہوسکتا ہے، وہ طلبہ کے رجحانات سے واقف ہوتا ہے اور ان کے مسائل کا حل نکالتا ہے۔

اچھے وائس چانسلر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خود بڑا محقق ہو، انتظامی تجربہ ہو اور طلبہ کی نفسیات کو سمجھتا ہو۔ پاکستان کی یونیورسٹیوں میں بہت سے اساتذہ وائس چانسلر گزرے ہیں جنہوں نے یونیورسٹی میں بڑے بڑے بحرانوں کا حل بغیر کسی امتناعی اقدام کے کیا۔ جب ایک بیوروکریٹ وائس چانسلر تعینات ہوگا تو وہ علمی معاملات سے نابلد ہوگا مگر ان پر فیصلے کرے گا۔ ایم ایس اور پی ایچ ڈی کے تھیسز اور تحقیق کے لیے موضوعات کے بارے میں فیصلے کا تنہا مجاز ہوگا۔ یوں بیوروکریٹ وائس چانسلر کے لیے طلبہ اور اساتذہ کی علمی آزادی کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔

ایک بیوروکریٹ کے پاس طلبہ، اساتذہ اور غیر تدریسی عملے سے نمٹنے کا صرف انتظامی راستہ ہی ہوگا۔ اس کے لیے علمی ادارے کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی جس سے یونیورسٹی میں علمی آزادی کو سخت نقصان ہوگا۔ اساتذہ کو کنٹریکٹ پر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ استاد ہر وقت اپنے افسران کی تابعداری پر مجبور ہوگا۔ ایک زمانے میں چیئرمین اور ڈین مستقل ہوتے تھے، جونیئر اساتذہ کے ساتھ ان کا رویہ ڈکٹیٹر کا ہوتا تھا۔ اس وقت اساتذہ دس، دس سال تک ایڈہاک بنیادوں پر کام کرنے پر مجبور ہوتے تھے اور جو استاد اپنے حق کے لیے آواز اٹھاتا تھا تو وہ ملازمت سے فارغ کردیا جاتا تھا۔

ناتجربہ کار بیوروکریٹ چارج سنبھالیں گے تو وہاں پر بھی صورتحال خراب ہوگی۔ جب پیپلز پارٹی کی حکومت برسر اقتدار آئی تو یونیورسٹی کے اس قانون میں تبدیلی کردی جو پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں بنایا گیا تھا۔ اس قانون کے تحت حکومت نے سنڈیکیٹ سے رجسٹرار اور ڈائریکٹر فنانس کے تقرر کا اختیار چھین لیا گیا۔ اس ترمیم سے وائس چانسلر بے اختیار ہوئے مگر جب اساتذہ نے احتجاج کیا تو حکومت نے ترمیم تو واپس نہ لی مگر کراچی یونیورسٹی میں اور سندھ یونیورسٹی کو اس قانون سے مستثنیٰ قرار دیا تھا البتہ دیگر یونیورسٹیوں میں یہ قانون نافذ ہوگیا۔

وفاقی اردو یونیورسٹی کی اساتذہ یونین کے سابق سیکریٹری جنرل ڈاکٹر عرفان عزیز کا کہنا ہے کہ ''جامعات کے وائس چانسلرز کے عہدے کے لیے غیر پی ایچ ڈی افراد کی تقرری نہ صرف تعلیمی اداروں کے ساتھ ناانصافی اور غیر اخلاقی ہوگی بلکہ یہ پاکستانی جامعات میں تعلیمی معیار میں مزید گراوٹ کا سبب بنے گی۔ یہ فیصلہ بین الاقوامی روایات اور اصولوں کی بھی خلاف ورزی ہوگا۔''

دنیا بھر میں یونیورسٹی کی سربراہی تعلیم و تحقیق میں ممتاز مقام رکھنے والے افراد کے سپرد کی جاتی ہے، اگرچہ حکومتی وزراء اس فیصلے کے حق میں دلائل دے رہے ہیں مگر پیپلز پارٹی کے سینئر رہنما اور سابق سینیٹر رضا ربانی نے اس ترمیم کو مسترد کردیا ہے۔ حکومت کو یونیورسٹیوں کی خودمختاری پر حملہ کرنے کے بجائے یونیورسٹیوں کے انتظامی اور مالیاتی بحران کے حل کے لیے مدد کرنی چاہیے۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

پاکستان میں پانی اور انسانی حقوق

محمد منیر عاطف باجوہ

پانی ایک قیمتی وسیلہ ہے جو زندگی کو برقرار رکھنے اور انسانی وقار کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہے۔ یہ صرف ایک قدرتی عنصر نہیں بلکہ ایک بنیادی انسانی حق ہے جسے مختلف بین الاقوامی فریم ورک کے تحت تسلیم کیا گیا ہے۔ 2010 میں، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے صاف پانی اور صفائی تک رسائی کو بنیادی انسانی حقوق کے طور پر واضح طور پر تسلیم کیا، جو زندگی اور دیگر بنیادی حقوق کے مکمل لطف کے لیے ضروری ہے۔ اس کے باوجود، پاکستان میں پانی سے متعلق مسائل سنگین ہیں، جو قلت، بدانتظامی، آلودگی اور غیر منصفانہ تقسیم کے پیچیدہ مسائل کی عکاسی کرتے ہیں۔ پانی اور انسانی حقوق کے درمیان تعلق کو سمجھنا ان چیلنجز سے نمٹنے اور پاکستان کی آبادی کی فلاح و بہبود کو یقینی بنانے کے لیے ضروری ہے۔

پانی کی انسانی حق کے طور پر اہمیت

پانی صحت، خوراک اور روزگار سمیت متعدد دیگر انسانی حقوق کے لطف کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ زندگی کی بنیاد ہے، جو لوگوں کو اپنی جسمانی صحت کو برقرار رکھنے اور پیداواری سرگرمیوں میں مشغول ہونے کے قابل بناتا ہے۔ بین الاقوامی فریم ورک جیسے کہ پائیدار ترقی کے اہداف (SDGs)، خاص طور پر ہدف 6، محفوظ اور سستے پینے کے پانی تک عالمی اور مساوی رسائی کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ پاکستان میں، جہاں زراعت معیشت پر حاوی ہے اور آبادی کی اکثریت پینے، آبپاشی اور صفائی کے لیے قدرتی پانی کے وسائل پر انحصار کرتی ہے، پانی کی دستیابی اور معیار کا انسانی حقوق اور معاشرتی ترقی پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔

پاکستان میں پانی تک رسائی کے چیلنجز

پاکستان کو پانی کے وسائل سے متعلق متعدد چیلنجز کا سامنا ہے۔ یہ چیلنجز پانی کے حق اور دیگر باہم جڑے انسانی حقوق کے ادراک کے لیے بڑا خطرہ ہیں۔

پانی کی قلت

پاکستان دنیا کے سب سے زیادہ پانی کی قلت والے ممالک میں شامل ہے۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ، پانی کی فی کس دستیابی سالوں میں نمایاں طور پر کم ہوئی ہے، جو پانی کی قلت کی حد سے نیچے جا رہی ہے۔ ملک کا زیادہ تر انحصار دریائے سندھ کے نظام پر ہے، جو اس کے 90% سے زیادہ پانی کے وسائل فراہم کرتا ہے۔ تاہم، غیر موثر آبپاشی کے طریقے، ذخیرہ کرنے کے بنیادی ڈھانچے کی کمی، اور پڑوسی ممالک کی طرف سے بالائی پانی کے استعمال جیسے عوامل نے پانی کی دستیابی میں کمی میں کردار ادا کیا ہے۔ زیر زمین پانی، جو ایک اور اہم ذریعہ ہے، بھی حد سے زیادہ استعمال ہو رہا ہے، جس سے خطرناک سطح تک کمی ہو رہی ہے۔

پانی کی آلودگی

پاکستان میں پانی کے وسائل کی آلودگی ایک اور بڑا مسئلہ ہے جو محفوظ اور صاف پانی کے حق کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ صنعتی فضلہ، غیر علاج شدہ گندے پانی، اور زراعت سے نکلنے والے کیڑے مار ادویات اور کھادوں سے دریاؤں، نہروں، اور زیر زمین پانی کو آلودہ کر رہے ہیں۔ اس سے صحت کے وسیع بحران پیدا ہو رہے ہیں، لاکھوں لوگ پانی سے پیدا ہونے والی بیماریوں جیسے ڈائریا، ہیضہ، اور ہیپاٹائٹس کا شکار ہو رہے ہیں۔ خاص طور پر شہری علاقوں میں گندے پانی کے علاج کی سہولیات کی عدم موجودگی صورتحال کو مزید خراب کر دیتی ہے۔

غیر منصفانہ تقسیم

پاکستان میں پانی تک رسائی میں نمایاں فرق موجود ہے۔ شہری علاقوں میں دیہی علاقوں کے مقابلے میں پانی کی فراہمی کے لیے بہتر بنیادی ڈھانچہ موجود ہے، جہاں بہت سی کمیونٹیز کو بنیادی پانی کی سہولیات تک بھی رسائی کے لیے جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ پسماندہ گروہ، بشمول خواتین، بچے، اور غریب، اس قلت سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں، خواتین کو اکثر دور دراز ذرائع سے پانی لانے کا کام سونپا جاتا ہے، جو ان کی تعلیم، صحت، اور مجموعی فلاح و بہبود پر اثر ڈالتا ہے۔ مزید برآں، صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم پر تنازعات، جیسے سندھ اور پنجاب کے درمیان، منصفانہ تقسیم کے چیلنجز کو اجاگر کرتے ہیں۔

موسمیاتی تبدیلی کے اثرات

موسمیاتی تبدیلی نے پاکستان میں پانی سے متعلق مسائل کو بڑھا دیا ہے۔ غیر متوقع بارشوں کے پیٹرن، طویل خشک سالی، اور شمالی علاقوں میں گلیشیئر کے پگھلنے سے پانی کے وسائل کی دستیابی اور پیش گوئی متاثر ہو رہی ہے۔ گلیشیئر سے چلنے والے دریاؤں پر ملک کا انحصار ان تبدیلیوں کے لیے اسے خاص طور پر کمزور بنا دیتا ہے، جو طویل مدتی پانی کی حفاظت کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

پانی کے چیلنجز کے انسانی حقوق پر اثرات

پاکستان میں صاف اور کافی پانی تک رسائی کی کمی کے انسانی حقوق پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ صحت کا حق خطرے میں پڑ جاتا ہے کیونکہ پانی سے پیدا ہونے والی بیماریاں عام ہو جاتی ہیں۔ خوراک کا حق متاثر ہوتا ہے، کیونکہ پانی کی دستیابی میں کمی زرعی پیداوار کو متاثر کرتی ہے۔ خاص طور پر دیہی علاقوں میں روزی روٹی خطرے میں پڑ جاتی ہے کیونکہ کسان آبپاشی کے لیے پانی کی کمی کا سامنا کرتے ہیں۔ مزید برآں، پانی جمع کرنے کا بوجھ اکثر خواتین اور بچوں پر پڑتا ہے، جو صنفی عدم مساوات کو بڑھاتا ہے اور ان کی تعلیم اور دیگر مواقع تک رسائی میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔

حکومتی پالیسیاں اور خامیاں

اگرچہ پاکستان نے پانی کے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے کچھ کوششیں کی ہیں، جیسے کہ 2018 میں نیشنل واٹر پالیسی کی تشکیل، لیکن نفاذ اور حکمرانی میں اہم خامیاں موجود ہیں۔ پالیسی مربوط پانی کے وسائل کے انتظام، موثر آبپاشی کے نظام، اور مساوی تقسیم کی ضرورت پر زور دیتی ہے۔ تاہم، سیاسی ترجیحات، بدعنوانی، اور بنیادی ڈھانچے کی کمی نے پیش رفت میں رکاوٹ ڈالی ہے۔ مزید برآں، پانی کے تحفظ اور انتظام میں ناکافی سرمایہ کاری بحران کو بڑھاتی ہے۔

پالیسی اصلاحات

پانی کے انتظام میں شفافیت کو یقینی بناتے ہوئے پانی کی حکمرانی کے فریم ورک کو مضبوط کرنا بہت ضروری ہے۔ حکومت کو صوبوں اور کمیونٹیز کے درمیان پانی کے وسائل کی منصفانہ تقسیم کو ترجیح دینی چاہیے جبکہ بین الصوبائی تنازعات کو حل کرنا چاہیے۔ پالیسیوں کو زیر زمین پانی کے نکالنے کو منظم کرنے اور موثر آبپاشی کے طریقوں کو فروغ دینے پر بھی توجہ دینی چاہیے۔

بنیادی ڈھانچے کی ترقی

پانی کے ذخائر، ڈیموں، اور نہروں جیسے بنیادی ڈھانچے میں سرمایہ کاری ضروری ہے تاکہ پانی کے ذخیرہ اور تقسیم کو بڑھایا جا سکے۔ بارش کے پانی کو جمع کرنے اور گندے پانی کی صفائی کے نظام پانی کی دستیابی کو بڑھانے اور آلودگی کو کم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

عوامی آگاہی اور وکالت

شہریوں کو پانی کے تحفظ اور صاف پانی تک رسائی کے اپنے حقوق کے بارے میں تعلیم دینا بہت ضروری ہے۔ سول سوسائٹی کی تنظیمیں پانی کے استعمال کی نگرانی اور پالیسی تبدیلیوں کی وکالت میں فعال کردار ادا کر سکتی ہیں۔ کمیونٹی پر مبنی پانی کے انتظام کے طریقوں کو فروغ دینا بھی پائیدار نتائج حاصل کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔

بین الاقوامی تعاون

دریائی نظام کی سرحد پار نوعیت کو دیکھتے ہوئے، ہمسایہ ممالک، خاص طور پر بھارت کے ساتھ پانی کی تقسیم کے معاہدوں میں مشغول ہونا بہت اہم ہے۔ پاکستان کو ماحولیاتی لچک کے پروگراموں اور پانی کے انتظام کے منصوبوں کے لیے بین الاقوامی مدد اور فنڈنگ حاصل کرنی چاہیے۔ پانی صرف ایک وسیلہ نہیں ہے بلکہ بنیادی انسانی حق ہے جو کہ بے شمار دیگر حقوق کے حصول کی بنیاد رکھتا ہے۔ پاکستان میں پانی کی کمی، آلودگی اور غیر مساوی رسائی کے چیلنجز فوری اور ٹھوس اقدامات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان مسائل کو موثر پالیسیوں، بنیادی ڈھانچے کی ترقی اور عوامی مشغولیت کے ذریعے حل کر کے پاکستان اپنے آبی وسائل کے پائیدار انتظام کو یقینی بنا سکتا ہے اور اپنے شہریوں کے وقار اور حقوق کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ پانی کے حق کا تحفظ نہ صرف بقا کا معاملہ ہے بلکہ سماجی انصاف اور پائیدار ترقی کے حصول کی طرف بھی ایک قدم ہے۔

لکھاری سے اس ای میل اور فون نمبر پر رابطہ کیا جا سکتا ہے:
0300-4585894

سعودی عرب میں پاکستانیوں کو سزائے موت: 'معلوم نہیں بھائی کی لاش کہاں دفن ہے'

محمد زبیر خان

نسیم گل (فرضی نام) کا کہنا ہے کہ ان کا بھائی '10 سال تک سعودی عرب کی ایک جیل میں قید رہا۔ پھر ایک دن اس کو بتایا گیا کہ تمھاری پھانسی کی سزا پر عملدرآمد ہونا ہے۔'

نسیم گل نے بی بی سی سے اپنا اور اپنے بھائی کا نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بات کی۔ اسی لیے ان کا فرضی نام استعمال کیا گیا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ 'ہم نے قرض لے کر والدین کو سعودی عرب بھیجا کہ وہ ایک بار بیٹے سے مل لیں مگر ان کو بھی ملنے کی اجازت نہیں ملی۔ ہمیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ اس کی لاش کدھر دفن کی گئی ہے۔'

نسیم گل کے بھائی ان 21 پاکستانیوں میں سے ایک تھے جنھیں رواں سال سعودی عرب میں منشیات کی سمگلنگ کے الزام میں سزائے موت دی گئی ہے۔

واضح رہے کہ رواں سال، بین الاقوامی خبر رساں ادارے اے ایف پی کی رپورٹ کے مطابق، سعودی عرب میں اب تک سو سے زیادہ غیر ملکیوں کو سزائے موت دی گئی جن میں سب سے زیادہ تعداد پاکستانیوں کی ہے۔

اس رپورٹ کے مطابق ان سزاؤں پر عدالتی کارروائی کے بعد الزامات ثابت ہونے پر عملدرآمد کیا گیا۔

سزا پانے والوں میں پاکستان کے علاوہ یمن کے بیس، شام کے چودہ، نائیجیریا کے دس، مصر کے نو، اردن کے آٹھ، ایتھوپیا کے سات، انڈیا، افغانستان اور سوڈان کے تین تین شہری جبکہ سری لنکا، فلپائن اور اریٹیریا کے ایک ایک شہری شامل ہیں۔

بی بی سی نے دو ایسے پاکستانیوں سے بات چیت کی ہے جن کے اہلخانہ ان افراد میں شامل تھے جن کو سعودی عرب میں سزائے موت دی گئی ہے جنھوں نے مختلف وجوہات اور خدشات کی بنا پر نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بات کی ہے۔

بی بی سی نے اس معاملے پر سعودی عرب میں پاکستانی سفارت خانے اور اسلام آباد میں دفتر خارجہ سے رابطہ کیا تاہم ان کی جانب سے جواب نہیں دیا گیا۔

سعودی عرب میں تعینات پاکستانی پریس قونصلر نے بی بی سی کو بتایا کہ اسلام آباد میں وزارت خارجہ سے رابطہ قائم کیا جائے۔ تاہم اسلام آباد میں دفتر خارجہ کی ترجمان ممتاز بلوچ سے رابطہ کرنے پر کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

روزگار کا خواب

دس سال قبل نسیم گل کے بھائی بہتر روزگار کا خواب لیے لاہور ایئرپورٹ سے سعودی عرب روانہ ہوئے تھے۔

انھیں ایک شخص ملا جس نے کہا کہ 'تم اچھے کاریگر ہو، میں تمھیں سعودی عرب بھجواتا ہوں، بہت پیسے ملیں گے۔ میرا بھائی تیار ہو گیا اور ایک دن ویزا بھی آ گیا۔'

نسیم کو آج بھی یاد ہے کہ ان کے بھائی، جو کارپینٹر تھے، کو جس شخص نے سعودی عرب کا ویزہ دلوایا تھا، اس نے روانگی سے قبل چند اوزار بھی ساتھ دیے اور ہدایت کی کہ کام کے لیے ان کی ضرورت پڑے گی۔

اس نے بھائی سے کہا کہ 'کچھ اوزار تم نے کمپنی کے نمائندے کو دے دینے ہیں۔ یہ میرے سامنے ہوا تھا۔ بھائی کیسے انکار کر سکتا تھا۔ ہم لوگ زیادہ پڑھے لکھے بھی نہیں ہیں۔ لاہور ایئرپورٹ پر کسی نے کچھ بھی نہیں کہا۔'

تاہم نسیم بتاتے ہیں کہ ان کے بھائی کو جدہ ایئرپورٹ پر گرفتار کر لیا گیا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے بھائی بے گناہ تھے تاہم بی بی سی اس دعوے کی آزادانہ تصدیق نہیں کر سکتا۔

بھائی کی گرفتاری نسیم کے اہلخانہ کے لیے ایک امتحان جیسی تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ اہل خانہ 'جگہ جگہ مارا مارا پھرتا رہا۔ اسلام آباد میں وزارت خارجہ کے دفتر گئے۔ سعودی عرب میں پاکستانی سفارتخانے فون کیے، انھیں خطوط لکھے۔ مگر کسی نے بات نہیں سنی اور نہ ہی ہماری مدد کی۔'

'مقدمہ عربی زبان میں چلتا تھا، کچھ سمجھ نہیں آتی تھی'

اس دوران نسیم کے بھائی کے خلاف مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ نسیم کو اس بارے میں بھائی کے فون سے علم ہوا۔

وہ بتاتے ہیں کہ 'بھائی نے بتایا کہ مقدمہ میں سب عربی زبان میں ہوتا ہے اور اس کو کچھ بھی سمجھ نہیں آتی تھی۔'

'ترجمان بھی دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ بھائی کے مطابق اس سے کچھ کاغذات پر دستخط بھی کروائے جاتے تھے مگر بتایا نہیں جاتا تھا کہ کیوں دستخط کروا رہے ہیں۔'

نسیم گل کا دعویٰ ہے کہ مقدمے کی سماعت کے دوران ان کے بھائی نے بار بار بتایا کہ اوزار اس کے نہیں تھے بلکہ اس کو دیے گئے تھے۔

'بھائی کو کہا گیا پھانسی کی سزا قید میں بدل گئی'

ارسلان خان کی کہانی بھی نسیم گل سے ملتی جلتی ہے۔ ان کے بھائی بھی دس سال سے سعودی عرب میں منشیات سمگلنگ کے الزام میں ہی قید ہیں۔

واضح رہے کہ جسٹس پراجیکٹ پاکستان کے مطابق اس سال مجموعی طور پر 21 پاکستانیوں کو سعودی عرب میں سزائے موت دی گئی جبکہ 2023 میں یہ تعداد سات جبکہ 2022 میں تین تھی۔

جسٹس پراجیکٹ پاکستان کے مطابق 2016 سے 2024 تک مجموعی طور پر ایک سو تیس پاکستانیوں کو سعودی عرب میں سزائے موت دی گئی۔ جسٹس پراجیکٹ کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں سب سے زیادہ پاکستانی سعودی عرب کی جیلوں میں قید ہیں جن کی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ ہے۔

ان میں 691 منشیات سمگلنگ کے الزام کے تحت قید ہیں جن میں سے کچھ کا ٹرائل ہو رہا ہے اور کچھ کو موت کی سزا سنائی جا چکی ہے جبکہ باقی مختلف الزامات کے تحت قید ہیں۔

ارسلان خان نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے دعویٰ

کیا کہ ان کے بھائی کو پہلے کہا گیا کہ منشیات سمگلنگ کے الزام میں پھانسی کی سزا ہوئی ہے لیکن اب اسے کہا گیا ہے کہ پھانسی کی سزا پندرہ سال قید میں تبدیل ہوگئی ہے۔ 'ہمیں کچھ پتا نہیں ہے کہ اس کو کیا سزا ہوئی ہے۔' ارسلان کا دعویٰ ہے کہ ان کے بھائی دو ہزار دس میں پہلی بار سعودی عرب گئے تھے اور چار سال کام کرنے کے بعد دو ماہ کی چھٹی پر واپس آئے۔

'سعودی عرب میں اس کا ایک دوست بن گیا تھا۔ دونوں ساتھ ہی واپس آئے تھے۔ چھٹی ختم ہونے پر دونوں اسلام آباد سے سعودی عرب کے لیے روانہ ہوئے۔'

ارسلان کے مطابق 'جدہ ایئرپورٹ پر ان کے بھائی کے دوست نے ایک بیگ تھمایا اور کہا کہ دو منٹ پکڑو، میں واش روم سے آتا ہوں۔' اس بیگ کی وجہ سے میرا بھائی پکڑا گیا اور اب تک جیل میں ہے۔' بی بی سی ارسلان کے اس دعوے کی آزادانہ تصدیق نہیں کر پایا ہے۔ ارسلان کے مطابق 'گذشتہ 10 برسوں میں ہم نے کبھی عید نہیں منائی۔۔۔ توقع تھی کہ شاید بھائی کا فون آجائے۔' تاہم نسیم اور ارسلان کے مطابق انھوں نے پاکستانی حکام سے بار بار پوچھا کہ یہ منشیات پاکستان کے ایئرپورٹ پر کیوں نہیں پکڑی گئیں مگر ان کو اس حوالے سے کوئی جواب نہیں ملا۔ ارسلان کہتے ہیں کہ 'بھائی کو قید میں دس سال ہو چکے ہیں۔ ہم غریب لوگ ہیں، بھائی اچھے مستقبل کے لیے گیا تھا مگر اب ہمارا کچھ بھی نہیں بچا۔'

'میں اللہ کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ اس کو معاف کر دیں اور واپس پاکستان بھجوا دیں۔'

سعودی عرب میں قید پاکستانیوں کی تعداد میں اضافہ

جسٹس پراجیکٹ پاکستان (جی پی پی) کی چیف ایگزیکٹو آفیسر سارہ بلال نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ 'سعودی عرب میں قید پاکستانیوں کی تعداد گذشتہ پانچ سالوں میں بڑھتی رہی ہے۔' ان کے مطابق سعودی عرب میں عدالتی کارروائی اور انسانی حقوق کی صورتحال کو بھی تسلی بخش نہیں کہا جا سکتا ہے۔ مختلف بین الاقوامی اداروں کی رپورٹوں میں اس پر سوال اٹھتے رہتے ہیں۔

سارہ بلال نے سعودی عرب میں قید پاکستانیوں کے اہلخانہ کی مشکلات اور قیدیوں تک رسائی کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ کچھ بین الاقوامی قوانین ہیں۔

'کسی بھی ملک میں کسی بھی دوسرے ملک کے شہری کو قونصلر رسائی کا حق ویانا کنونشن دیتا ہے اور یہ پاکستانی سفارت خانے کا کام ہے کہ اس کنونشن کے تحت تمام قید پاکستانیوں کو قونصلر رسائی فراہم کروائے۔'

سارہ بلال نے ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ 'وہاں پر تمام ٹرائل عربی میں ہوتے ہیں۔ اکثر پاکستانی بالخصوص منشیات سمگلنگ کے معاملے میں پکڑے جانے والے پاکستانیوں کے ساتھ دیکھا یہ گیا ہے کہ وہ عربی نہیں جانتے ہیں اور یہ زیادہ تر وہ لوگ ہوتے ہیں جو پہلی مرتبہ جا رہے ہوتے ہیں اور سعودی عرب کے ایئرپورٹس پر پکڑے جاتے ہیں۔ ان کا تو کوئی بھی پرسان حال نہیں ہوتا۔'

ان کا کہنا تھا کہ 'پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان قیدیوں کے تبادلے کا معاہدہ موجود ہے جس کے تحت دونوں ممالک میں سے اگر کوئی شہری کسی دوسرے ملک میں جرم کر کے سزا پائے گا تو وہ یہ سزا اپنے ملک میں پوری کرے گا۔'

سارہ بلال کا کہنا تھا کہ 'حالیہ دونوں میں پاکستان کی وزارت داخلہ اور مشیر داخلہ محسن نقوی نے کوشش کی ہے اور چار سو سے زائد پاکستانی قیدیوں کو ممکنہ طور پر واپس لانے کے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔'

سارہ بلال کا کہنا تھا کہ 'سعودی ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان نے اپنے آخری دورہ پاکستان کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ وہ سعودی عرب میں قید دو ہزار پاکستانیوں کو واپس بھجوا دیں گے یا ان کی سزائیں معاف کر دیں گے۔

'مگر اس پر ابھی تک ہمیں نہیں پتا کہ عملدرآمد ہوا ہے کہ نہیں۔'

(بشکریہ بی بی سی اردو)

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔

جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجیے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

'''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر یا انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

‘عورت کو بے دردی سے قتل کر دینا غیرت ہرگز نہیں

شازیہ نظامانی

اقوامِ متحدہ کے تحت پاکستان سمیت دنیا بھر کے ممالک میں 25 نومبر تا 10 دسمبر صنفی بنیادوں پر تشدد کی روک تھام کے لیے 16 روزہ مہم چلائی گئی لیکن اس مہم کے باوجود سندھ کے بکر جمالی گاؤں میں ایک نوجوان خاتون لیکچرار اور تین بچوں کی ماں کو اس کے شوہر نے غیرت کے نام پر بے دردی سے قتل کر دیا۔ اس اندوہناک واقعے نے پورے علاقے میں ہلچل مچادی۔

نوجوان خاتون سندھ پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں کامیاب ہوئی تھی اور ایک گاؤں میں لیکچرار کی خدمات سرانجام دے رہی تھی۔ اس کا تعلق ایک اچھے اور تعلیم یافتہ خاندان سے تھا۔ ملزم کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے غیرت کے نام پر اپنی بیوی کو قتل کیا۔ مقتولہ کے لواحقین نے دعویٰ کیا ہے کہ ملزم نے خاتون کو پیسوں اور جائیداد کی لالچ میں موت کے گھاٹ اتارا۔ مقتولہ کے خاندان نے اسے تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا اور اسے اپنی پسند کی شادی کرنے کی اجازت دی۔ افسوس ناک طور پر انہیں اپنی بیٹی کی گولیوں سے چھلنی نعش ملی جبکہ مقتولہ کے تین بچے بھی ہیں جو اپنی ماں کی یاد میں روتے ہیں۔

چکوال کے ایک گاؤں میں ایک اور نوجوان خاتون کو اس کے شوہر نے قتل کرنے سے قبل ہولناک تشدد کا نشانہ بنایا۔ گزشتہ سال وہاڑی میں دو بہنوں کو ان کے والد اور بھائی نے مرضی کی شادی کرنے پر قتل کر دیا تھا۔ 2024ء کے پہلے پانچ مہینوں میں سوات میں 20 خواتین سے جینے کا حق چھین لیا گیا جن میں سے 10 خواتین کو ’غیرت‘ کے نام پر قتل کیا گیا۔

2023ء میں ’فیمیسائیڈز‘ کے عنوان سے اقوام متحدہ کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق، ’2023ء میں تقریباً 51 ہزار 100 خواتین اور لڑکیوں کو ان کے قریبی جاننے والوں نے قتل کیا جو کہ خواتین کے قتل کے کُل واقعات کا 60 فیصد ہے۔ بہت سے معاملات میں تشدد کا نشانہ بننے والی خواتین نے پہلے ہی مطلع کر دیا تھا تو ان کے متوقع قتل کو روکا جا سکتا تھا‘۔

رپورٹ میں بتایا گیا کہ دنیا بھر میں روزانہ اوسطاً 140 خواتین اور لڑکیاں اپنے خاندان کے کسی فرد کے ہاتھوں قتل ہو جاتی ہیں۔ ’اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسی خواتین اور لڑکیوں کے لیے ان کے گھر سب سے خطرناک ہوتے ہیں جنہیں جانی خطرات لاحق ہوں‘۔

عورت کو بیدردی سے قتل کر دینا غیرت ہرگز نہیں۔ مرنے والی خواتین کو محض اعداد و شمار کے طور پر لیا جاتا ہے لیکن ایسی کوئی رپورٹ، کوئی ڈیٹا نہیں جس سے اُس ذلت، درد، صدمے اور تشدد کی پیائش کی جا سکے جو خاندان کے کسی فرد کے ہاتھوں قتل ہونے سے عورت محسوس کرتی ہے۔ پاکستان میں غیرت کے نام پر قتل کی صورت حال کتنی سنگین ہے، اس کے اندازے کے لیے چند کیسز ہی کافی ہیں۔ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ تو معاشرہ کا اس عمل کو قبول کر لینا ہے اور اس طرح کے قتل کا معمول بن جانا ہے۔

اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کرمنل لا (ترمیم) ایکٹ 2016ء منظور ہوا جس میں غیرت کے نام پر یا غیرت کا بہانہ بنا کر قتل کرنے کے جرائم سے متعلق شقیں شامل ہیں۔ اس سے قبل قیاس اور دیت کے قوانین کی وجہ سے مقتولہ کے لواحقین کو اجازت ہوتی تھی کہ وہ مجرم کو معاف کر دیں۔ ایسے واقعات میں عموماً فیملی ممبر یا رشتہ دار ملوث ہوتے ہیں اس لیے معافی ملنے پر وہ سزا سے بچ جاتے تھے۔ اس مسئلے کو آنر کلنگ ایکٹ 2016ء کے ذریعے حل کیا گیا جس نے معافی کے امکان کو ہی ختم کر دیا۔

اس نئے قانون نے ان لوگوں کے گرد گھیرا تنگ کیا جو مقتولہ کے لواحقین (والد، بھائی یا بیٹے) سے معافی مل جانے پر سزا سے بچ جاتے تھے۔ اس قانون نے غیرت کے نام پر قتل کو ایک ناقابلِ معافی جرم قرار دیا۔ قانون میں تعزیر کو عدالت کے اختیار کے طور پر شامل کیا گیا تھا جس سے اب مقتول کے ورثا کی جانب سے قصاص کی معافی کے باوجود، مجرم کو کم از کم عمر قید کی سزا ہوگی۔

سپورٹ میکانزم، فیملی کی سپورٹ اور شیلٹر ہومز یا تحفظ کے مراکز کی کمی کے باعث بھی خواتین کے خلاف جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک پدرشاہی معاشرے میں متاثرہ خواتین صنفی اعتبار سے غیر حساس تھانوں میں اپنے مقدمات درج کروانے یا عدالت میں مقدمہ دائر کرنے سے گریز کرتی ہیں۔

اس جرم کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ معاشرے میں صنفی بنیاد پر تشدد کو قبول کیا جا رہا ہے اور ریاستی مشینری بشمول پولیس، عدلیہ اور پراسیکیوشن میں بھی صنفی تعصب پایا جاتا ہے۔

غیرت کے نام پر جرائم اور خواتین کے قتل کو ریاست کے خلاف جرم قرار دیا جانا چاہیے۔ جب خاندان کیس کی پیروی نہیں کرتا تو انصاف کے حصول تک ریاست کو مقدمے کی پیروی کرنی چاہیے۔ قانونی ترامیم اور قوانین کے مؤثر نفاذ کے ساتھ ساتھ، جرائم کی روک تھام کے لیے ایک مضبوط پولیس اور کمیونٹی کی سطح پر میکنزم تیار اور نافذ کرنا ضروری ہے۔

خواتین کے تحفظ اور انصاف کی فراہمی کرنے کے ذمہ دار ادارے خود بھی امتیازی سلوک کر سکتے ہیں اور صنفی نمائندگی میں متعصب ہو سکتے ہیں۔

پاکستان کی پوری پولیس فورس میں خواتین 2 فیصد سے بھی کم ہیں۔ عدلیہ میں خواتین ججز کی نمائندگی بھی قابلِ ذکر نہیں۔ حال ہی میں لا اینڈ جسٹس کمیشن کے مطابق، ملک میں 3 ہزار 142 جج اور عدالتی افسران تھے جن میں اکثریت (2 ہزار 570) مرد ہیں۔ 572 خواتین جج اور جوڈیشل افسران میں سے 565 ضلعی عدلیہ میں جبکہ 7 اعلیٰ عدالتوں میں ہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے کہ خواتین کی نمائندگی میں مزید اضافہ کیا جانا چاہیے۔

خواتین مخالف ذہنیت اور رویے کو تبدیل کرنے کے لیے کئی نسلوں پر کام کرنا ہوگا لیکن جو کام فوری طور پر کیا جا سکتا ہے وہ پولیس اور عدلیہ میں اصلاحات کا نفاذ ہے۔ خواتین کے خلاف جرائم آئین کی سنگین خلاف ورزی ہیں۔ پاکستان کی مساوی شہری ہونے کی حیثیت سے ریاست کو خواتین کے تحفظ میں اپنی پوری ذمہ داری ادا کرنی چاہیے۔

لکھاری وکیل ہیں۔ ڈان میڈیا گروپ کا لکھاری اور نیچے دیے گئے کمنٹس سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

(بشکریہ روزنامہ ڈان)

پرامن اجتماع اور امنِ عامہ قانون 2024

تعارف

گزشتہ دو دہائیوں کے دوران، اسلام آباد کیپٹل ٹیریٹری (آئی سی ٹی) ہر طرح کی اجتماعات اور احتجاج کا مرکز بن چکا ہے۔ اگرچہ کچھ اجتماعات میں مظاہرین نے تشدد کا ارتکاب کیا لیکن زیادہ تر اجتماعات بڑے پیمانے پر، پرامن رہے ہیں، یہاں تک کہ حکام کی طرف سے ہراسانی اور دھمکیوں کے باوجود۔ کچھ احتجاجی مظاہروں نے دانستہ طور پر یا پرتشدد صورت اختیار کر جانے کے نتیجے میں حکومت اور رہائشیوں دونوں کے لیے لاجسٹیکل اور سیاسی مسائل پیدا کیے ہیں لیکن ایسا معمول کے بجائے بہت کم ہوا ہے۔ قومی اسمبلی نے پرامن اجتماع اور امنِ عامہ آرڈر ایکٹ 2024 چھ ستمبر 2024 کو منظور کیا۔ اسے 2 ستمبر کو سینیٹ میں پیش کیا گیا، متعلقہ قائمہ کمیٹی نے 3 ستمبر کو منظوری دی جبکہ 5 ستمبر کو سینیٹ نے منظور کیا تھا۔ ستمبر میں اس بل کو منظوری کے چند گھنٹوں کے اندر ہی صدارتی منظوری مل گئی۔ اس قانون کا مقصد پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کی حدود میں وفاقی حکومت کے خصوصی دائرہ اختیار میں آنے والے علاقے میں پرامن اجتماع کی آزادی کے حق کو باضابطہ کرنا ہے۔ بظاہر یہ قانون 'پرامن اجتماع کی اجازت دینے اور عوامی تحفظ اور نظم و نسق کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش ہے' (اس کے مقاصد اور وجوہات کے بیان کے مطابق) اور اس طرح قانون سازی کی نئی مثال کے طور پر سامنے آیا ہے، کیونکہ ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ پارلیمان نے کوئی قانون پرامن اجتماع کے حق کو ضابطے میں لانے کے واحد مقصد کے ساتھ منظور کیا ہے۔ تاہم، یہ قانون امن و امان کو برقرار رکھنے کی ضرورت اور پرامن اجتماع کی آزادی کے حق میں توازن پیدا کرنے کی سنجیدہ کوشش معلوم نہیں ہوتا، خاص طور پر یہ دیکھتے ہوئے کہ اسے سول سوسائٹی کی کسی بامعنی مشاورت کے بغیر تیار کیا گیا اور پارلیمان سے حیرت انگیز عجلت میں منظور کروایا گیا۔

قانون کی منظوری سے پہلے، آئی سی ٹی کے اندر پرامن اجتماع کی آزادی کو بڑے پیمانے پر مختلف قوانین کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا تھا، یعنی (a) پاکستان پینل کوڈ (PPC) 1860، جو 'غیر قانونی' اجتماعات کو مجرم قرار دیتا ہے۔ (b) ضابطہ فوجداری 1898، جو نہ صرف عوامی عہدیداروں کو اجتماعات کے انعقاد کو ریگولیٹ کرنے اور انہیں طاقت کے ذریعے منتشر کرنے کے وسیع اختیارات دیتا ہے، بلکہ 'ہنگامی صورت حال' کے بہانے تمام اجتماعات پر مکمل پابندی کی اجازت بھی دیتا ہے۔ اور (c) پولیس آرڈر 2002، جو پولیس حکام کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ منتظمین یا اجتماع کے شرکاء کو 'لائسنس' کے لیے درخواست جمع کروانے کی ہدایت کریں۔ ان قوانین کو کئی دیگر قوانین سے تقویت ملتی ہے جیسے کہ مینٹیننس آف پبلک آرڈر آرڈیننس 1960 اور انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997۔ دونوں میں ایسی دفعات شامل ہیں جن کا استعمال ایسے دیگر بنیادی حقوق میں مداخلت کے لیے کیا جا سکتا ہے جو پرامن اجتماع کے حق کو مؤثر طریقے سے استعمال کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

اس طرح، آئی سی ٹی کے اندر پرامن اجتماع کی آزادی کا حق، جیسا کہ ملک کے باقی حصوں میں ہے، پہلے ہی حد سے زیادہ قانون سازی اور قواعد و ضوابط کے تابع ہے۔ آئی سی ٹی میں اجتماعات کو ریگولیٹ کرنے والے ایک مفصل اور خصوصی قانون کو بین الاقوامی معیارات کی مطابقت ایک متوازن نقطہ نظر کی بنیاد رکھنی چاہیے تھی۔ اس کے بجائے، اس نے اس حق کو عملی اعتبار بے اثر کر دیا ہے اور اجتماعات میں شرکت پر فوجداری پابندیاں عائد کر دی ہیں جو اس حق 'غیر قانونی' قرار دیتی ہیں۔ بلاشبہ اس کا بنیادی آزادیوں اور ان کے استعمال پر شدید منفی اثر پڑے گا۔

سفارشات

چنانچہ، پرامن اجتماع اور امنِ عامہ آرڈر ایکٹ 2024 ایک سخت قانون کے طور پر سامنے آیا ہے جو پاکستان میں پرامن اجتماع کی آزادی کے حق کو دبانے کی کوشش ہے۔ اس میں متعدد دفعات شامل ہیں جو بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی طور پر منظور شدہ رہنما خطوط کے تحت محفوظ کردہ حق کو نمایاں طور پر کمزور کرتی ہیں۔ اس کے مندرجات کو بین الاقوامی معیارات اور بہترین طریقوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے، اور اس بات کو یقینی بنانے کے لیے خاطر خواہ ترامیم ضروری ہیں کہ یہ ایکٹ بنیادی حقوق کے استعمال میں رکاوٹ بننے کے بجائے سہولت فراہم کرے۔

اس ضمن میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

☆ دفعہ 2 کے تحت 'اسمبلی' کی تعریف میں ترمیم کی جانی چاہیے تاکہ کسی اجتماع کو 'اسمبلی' کے طور پر شمار کرنے کے لیے کوئی عددی حد نافذ نہ کی جائے۔ مزید برآں، نجی جگہوں پر منعقد ہونے والے اجتماع کے دائرہ کار کو واضح طور پر بیان کیا جانا چاہیے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ آیا وہ ایکٹ کے تحت ضابطے کے تابع ہیں کہ نہیں۔

☆ جہاں اجتماعات کو قانونی طور پر منظم کیا جا سکتا ہے وہاں 'نامزد جگہوں' کی وضاحت کرنے کا حکومتی اختیار منسوخ کر دینا چاہیے۔ اجتماعات کو منتظمین کے مطلوبہ سامعین کی نظر اور آواز کی حدود کے اندر اجازت دی جانی چاہیے، وقت، مدت اور صحت و حفاظت کے کسی بھی متعلقہ قوانین کے مطابق مناسب پابندیوں کے ساتھ۔

☆ دفعہ 3 اور 4 کے تحت قائم کردہ پیشگی اجازت کے نظام (یا اجازت دینے کا نظام) کو ایک سادہ نوٹیفکیشن نظام سے تبدیل کیا جانا چاہیے جس کے تحت منتظمین کو اپنے اجتماع سے پہلے ہی حکومت کو مطلع کرنے کا پابند کیا جانا چاہیے تاکہ اجتماع کو مناسب طریقے سے سہولت فراہم کی جا سکے، اس کی نگرانی کی جا سکے اور پولیس اس کی حفاظت کر سکے۔ مزید برآں، جہاں نوٹیفکیشن کے تقاضے ایسے معاملات ناقابل نفاذ ہونے کی وجہ سے لاگو نہ کیے جا سکتے ہوں تو قانون کو خود کار اجتماع کے لیے ایک خاص استثنٰی فراہم کرنا چاہیے۔

☆ ایسے مقامات کو 'ریڈ زون' بنانے یا مختص کرنے کا اختیار منسوخ کیا جانا چاہیے جہاں اسمبلیاں خود بخود ممنوع ہیں۔ لوگوں کو عوامی عمارتوں، نشانیوں اور علامتی اہمیت کی ایسی دوسری جگہوں کے اندر یا اس کے ارد گرد جمع ہونے کی اجازت ہونی چاہیے۔

☆ اپیل کے کسی بھی عمل کو غیر جانبدار ٹربیونل یا عدالت کی طرف لے جانا چاہیے۔ کسی بھی حالت میں بیوروکریٹک آرڈر کے خلاف اپیل کی چارہ جوئی متعدد محکمانہ مراحل سے نہ گزرے۔

☆ کسی خاص یا تمام اجتماعات پر مکمل پابندی عائد کرنے کا ضلع مجسٹریٹ (ڈپٹی کمشنر) کا اختیار منسوخ کیا جانا چاہیے۔

☆ ایسے جاری اجتماع کو منتشر کرنے کا حکم دینے کے اختیار کو واضح اور سخت معیارات کے ساتھ مشروط کیا جانا چاہیے جس میں 'سنگین تشدد کا واضح اور فوری خطرہ' ہو۔ یہ اختیار صرف ان حالات میں استعمال کیا جانا چاہیے جہاں قانون شکنی کے شرکاء کی انفرادی گرفتاری ناممکن ہو اور صورت حال میں نرمی لانے کے دیگر تمام طریقے ناکام ہو چکے ہیں۔ مزید برآں، کسی بھی قانون کو جو منتشر کرنے کی اجازت دیتا ہے اس میں اس حوالے سے ہدایات کو شامل کرنا چاہیے کہ اس طرح کے منتشر کو کس طریقے سے انجام دیا جائے اور طاقت کے کم سے کم استعمال کے حوالے سے قواعد طے کیے جائیں۔

☆ دفعہ 8 کے تحت عائد غیر معمولی طور پر سخت سزاؤں کو مکمل طور پر منسوخ کیا جانا چاہئے کیونکہ وہ اجتماع میں محض شرکت کو ہی ایک مجرمانہ عمل بنا دیتی ہیں، یہاں تک کہ جب کوئی شریک اجتماع اجتماع میں ہونے والی کسی غیر قانونی سرگرمی میں کسی طرح بھی ملوث نہ ہو۔ قدیم تصورات جیسے کہ 'غیر قانونی اجتماعات' ترک کر دینے چاہئیں، اور شرکاء کو صرف ان حقیقی جرائم کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا جانا چاہیے جو انھوں نے کیے ہوں۔

☆ دفعہ 10 کے تحت قاعدہ سازی کے اختیارات کو واضح طور پر ان معاملات کی وضاحت کرنی چاہیے جن کے بارے میں قواعد بنائے جا سکتے ہیں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ ان کا استعمال اضافی پابندیاں عائد کرنے کے لیے نہ ہو۔

(پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی تجزیاتی رپورٹ 'پرامن اجتماع اور امنِ عامہ قانون 2024' سے اقتباسات)

کسانوں کے معیارزندگی میں بہتری کے لیے جدوجہد پرزور

بہاولپور باشعور شہریو،کل 18 دسمبر کو ہمارے ملک میں قومی سطح پر کسان ڈے منایا گیا۔اس دن کے منانے کا مقصد کسانوں کوخراج تحسین پیش کرنا اوران کی محنت کوسراہنا اور ملکی ترقی میں ان کے اہم کردار کی تعریف کرنا ہے۔ ہمارے محنت کش کسانوں کوکئی طرح کے مسائل کا سامنا ہے خاص طور پر موسمی تبدیلی کے اثرات اور کاشتکاری کیلئے سائنسی بنیادوں پرتربیت کا نہ ہونا۔کسانوں کی مشکلات میں اضافہ ہوگیا ہے حالانکہ پاکستان کے جی ڈی پی میں ان کا حصہ 25 ہزار ارب روپے ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت کسانوں کوآسان اقساط پر زرعی مشینری، معیاری کھاد، بیج، سپرے اور قرضے فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ کاشتکاری کا تجربہ رکھنے والوں کو زرعی اراضی مفت فراہم کرے تا کہ وہ خوشحال ہوں۔ (خواجہ اسداللہ)

پسند کی شادی پر قتل

نوشہروفیروز بھریاسٹی کے نواحی گاؤں غلام حیدر آرائیں میں پسند کی شادی کرنے والے علی حسن آرائیں نے تین بچوں کی ماں کو دوران ڈیوٹی اسکول ٹیچر نایاب آرائیں کو فائرنگ کرکے قتل کردیا اورخود بھی گولی مارکر خودکشی کرلی جعلی نکاح نامہ بنوا کر ساتھ رہنے پر بہن کو تنگ کرتا تھا،مقتولہ کا بھائی سجاد آرائیں،لاشیں گھروں میں پہنچنے پر کہرام ۔تفصیلات کے مطابق بھریاسٹی کے گاوں غلام حیدر آرائیں میں 25 سالہ نوجوان علی حسن آرائیں نے مبینہ طور پر گھریلو تنازع پر تین بچوں کی ماں 40 سالہ اپنی بیوی مسمات نایاب آرائیں کو دوران ڈیوٹی اسکول میں گھس کر فائرنگ کر کے شدید زخمی کر دیا جسے فوری طور پر اسپتال منتقل کر دیا گیا مگر وہ زخمیوں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسی، جبکہ مقتول علی حسن آرائیں نے گھر پہنچ کر خود پر فائرنگ کرکے مبینہ خودکشی کرلی۔متوفی کے بھائی آصف آرائیں نے واقع کی تفصیل بتاتے ہوئے پولیس کو کہا کہ بھائی نے طلاق یافتہ تین بچوں کی ماں نایاب آرائیں سے پسند کی شادی کی تھی بھابھی بھائی سے ناراض ہو کر الگ رہ رہی تھی جس پر بھائی ذہنی طور پر بہت پریشان تھا، جبکہ مقتولہ نایاب آرائیں کے بھائی سجاد آرائیں نے پولیس کو بتایا کہ بہن گاؤں میں سرکار پرائمری اسکول ٹیچر تھیں اور چار سال قبل گھریلو تنازع پر بابر آرائیں سے طلاق لی تھی جس سے تین بیٹے ہیں بہن کرائے کے گھر میں الگ رہ تی تھی جبکہ علی حسن آرائیں بہن کو بلا جواز تنگ و پریشان کرتا تھا اور جعلی نکاح نامہ بھی بنوا رکھا تھا جس کی درخواست ہم نے کورٹ میں بھی دی ہوئی ہے۔رابطہ کرنے پر ایس ایچ او بھریا منیر احمد لغاری نے کہا کہ واقع کی انکوائری شروع کردی گئی ہے اصل حقائق جلد سامنے لائیں گے۔ پولیس نے ضروری کارروائی کے بعد دونوں لاشیں ورثہ کے حوالے کر دیں ہیں لاشیں گھروں میں پہنچنے پر کہرام مچ گیا ہے۔واقعہ پر پورا گاؤں سوگ میں ڈوب گیا ہے۔

(الطاف حسین قاسمی)

افیون کی کاشت کاری کی روک تھام میں حکومت بے بس

چمن گورنمنٹ پرائمری سکول مدرسہ بحرالعلوم گھوڑا ہسپتال روڈ چمن میں ایک تقریب سے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے سابق ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر اور یوتھ پارلیمنٹ پاکستان کے ممبر حافظ محمد صدیق مدنی، اسکول کی تعلیمی کمیٹی کے چیئرمین عبیداللہ کاکوزئی، شفیع اللہ چمنی، عبدالمنان نورپوری، پروفیسر دوست محمد کاکڑ، فرید نثار ایڈووکیٹ اور حافظ سیف الرحمن صدیق نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ چمن میں افیون کی کاشت ایک بڑھتا ہوا مسئلہ ہے جو علاقے کی زراعت، معیشت اور عوامی زندگی پر نہایت منفی اثرات ڈال رہا ہے۔مقررین نے مزید کہا کہ افیون کی کاشت کے باعث سبزیوں کی کاشت میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے۔ زرخیز زمینیں جو پہلے سبزیوں کی کاشت کے لیے مخصوص تھیں اب افیون کے پودوں سے بھر گئی ہیں۔اس کے نتیجے میں سبزیوں کی رسد کم ہو چکی ہے جس نے مارکیٹ میں ان کی قیمتوں کو آسمان پر پہنچا دیا ہے۔مزید برآں، افیون کی بڑھتی ہوئی پیداوار نے نوجوان نسل کو منشیات کے غیر قانونی کاروبار کی طرف مائل کر دیا ہے۔تعلیم یافتہ نوجوان افیون کی تجارت میں ملوث ہورہے ہیں۔ یہ صورتحال نہ صرف ان کے مستقبل کے لیے خطرہ ہے بلکہ علاقے کی مجموعی سماجی ترقی کو بھی متاثر کر رہی ہے۔منشیات کی کاشت اور اسمگلنگ سے جرائم کی شرح میں بھی اضافہ ہوا ہے۔مقررین نے مزید کہا کہ افیون کی تجارت میں ملوث مافیا مقامی حکام کے لیے ایک بڑا چیلنج بن چکا ہے۔ غیر قانونی کاروبار کی وجہ سے علاقے میں بدامنی اور غیر یقینی کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے جو نہ صرف عوام بلکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے بھی مسائل کا باعث بن رہی ہے۔حکومت کی ناکامی اور غیر فعالیت اس مسئلے کو مزید سنگین بنا رہی ہے۔افیون کی کاشت کو روکنے کے لیے کوئی مؤثر حکمت عملی نہ ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔قانون نافذ کرنے والے ادارے یا تو اس مسئلے کو نظرانداز کر رہے ہیں یا پھر وہ مافیا کے خلاف کارروائی کرنے میں ناکام ہیں۔اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ چمن میں افیون کی کاشت اور اس سے جڑے مسائل پر قابو پانے کے بجائے ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔مقررین نے مزید کہا کہ اس سنگین صورتحال کے حل کے لیے فوری اور مؤثر اقدامات کی ضرورت ہے۔حکومت کو چاہیے کہ وہ کسانوں کو افیون کی کاشت کے بجائے متبادل فصلوں کی طرف راغب کرے۔اس کے لیے کسانوں کو مالی امداد فراہم کی جائے، زرعی آلات پر سبسڈی دی جائے، اور جدید زراعت کے طریقے سکھائے جائیں۔اس کے علاوہ عوامی آگاہی مہم شروع کی جائے جس میں افیون کی کاشت کے نقصانات اور متبادل فصلوں کے فوائد کو اجاگر کیا جائے۔مقررین نے مزید کہا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو مضبوط اور فعال بنانا بھی نہایت ضروری ہے۔افیون کی کاشت اور تجارت میں ملوث عناصر کے خلاف سخت قانونی کارروائی کی جائے۔

(محمد صدیق)

چمن قدرتی گیس سے محروم

چمن قدرتی گیس کی سہولت سے محروم شمالی بالائی بلوچستان کے ٹالز پر جلانے کیلئے لکڑی اور گوڑکا اسٹاک محدود پیمانے پر دستیاب ہونے لگے ہیں۔لسبیلہ اور سندھ سے لکڑی اور گوڑکا سپلائی متاثر ہونے کے بعد سردی سے ٹھٹھرتے شہری انگیٹھی جلانے کی سہولت سے بھی محروم ہونے لگے۔ ٹال مالکان نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے نمائندے کو بتایا کہ لسبیلہ انتظامیہ نے گوڑکا ضلع سے باہر نے جانے پر پابندی لگا کر خلاف ورزی کرنے والے ٹرک ڈرائیور کو ایک لاکھ روپے جرمانے عائد کرنے لگے۔ جبکہ کشمور انتظامیہ نے پرمٹ سسٹم رائج کرکے ضلع سے باہر لے جانے والے گڑکا غیر معمولی ٹیکس وصولی کے باعث یہاں قیمت میں اضافہ کرنا پڑا ہے، اور دوسری جانب ٹرانسپورٹ عدم دستیابی اور دستیاب ٹرانسپورٹ بھاری کرایے وصولی کی بھی بحران کا باعث بنا ہے۔ٹال مالکان کے مطابق سندھ کے شوگر ملوں سے بڑے پیمانے پر چینی کی افغانستان ایکسپورٹ میں ٹرانسپورٹ وہاں ترجیح دینے کے باعث مشکلات بڑھ گئی ہے۔صورتحال کے نتیجے میں پچھلے سال کی نسبت امسال گی من 12 سو روپے سے 19 سو روپے پر فروخت ہونے لگا ہے۔

(محمد صدیق)

قوم پرست رہنماء کا قتل

سجاول 8 دسمبر 2024 کو سجاول کے نواحی گاؤں بڈھو ٹالپر میں مقامی ایک قوم پرست جماعت کی رہنما کو کھلاڑیوں سے نہایت ئے بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق سجاول کے نواحی گاؤں بدھو ٹالپر میں قوم پرست جماعت سندترقی پسند پارٹی کے مقامی رہنما حسین رند پر کچھ نامعلوم افراد نے کھلاڑیوں سے حملہ کردیا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوگیا۔ جاتی چوک تھانہ کی پولیس جائے وقوعہ پر پہنچ کر نعش اپنی تحویل میں لے، جس پوسٹ مارٹم اور قانونی کارروائی کی لئے تحصیل میر پور بٹھورو منتقل کر دیا۔ ڈی ایس پی میر پور بٹھورو کے مطابق آئی آر داخل کر کے قانونی کارروائی کی جائے گی۔

(چیتن لال)

غیر ضروری چیک پوسٹ ہٹانے کا مطالبہ

نوشکی پاک ایران قومی شاہراہ پاکستان کو ایران، ترکی، یورپ اور بلوچستان کو سندھ سے ملانے والی شاہراہ ہے۔ اسی شاہراہ پر لکپاس ٹنل چیک پوسٹ واقع ہے۔ تفتان، نوکنڈی، دالبندین، چاغی، نوشکی، حب چوکی، اوتھل، لسبیلہ، وڈھ، خضدار، سوراب، قلات، منگوچر، مستونگ اور ہزاروں دیہی علاقوں کے باشندوں کو صوبائی دارالحکومت کوئٹہ جانے کے لیے لکپاس ٹنل سے گزرنا پڑتا ہے یورپ سے آنے والے سیاح بھی اس ٹنل سے پاکستان میں داخل ہوتے ہیں اور اسی طرح بلوچستان اور پاکستان کے دیگر علاقوں کے زائرین کو ایران جانے کے لیے بھی لکپاس ٹنل سے گزرنا پڑتا ہے۔ لکپاس ٹنل چیک پوسٹ پہاڑی سلسلہ سے متصل ہے۔ ایف سی کی چیک پوسٹ کی وجہ سے یہاں روزانہ گھنٹوں ٹریفک معطل ہونا معمول بن چکا ہے۔ لکپاس انتہائی سرد پہاڑی علاقہ ہے جہاں کسی قسم کی کوئی سہولت بھی نہیں ہے۔ موسم سرما میں درجہ حرارت منفی 10 سینٹی گریڈ ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ گھنٹوں ٹریفک معطل ہونے کی وجہ سے قیامت خیز سردی میں مسافروں بالخصوص خواتین، بچوں اور مریضوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ نوشکی سے کوئٹہ تک 144 کلومیٹر تک مسافروں کو 6 چیک پوسٹوں سے گزرنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے انہیں وقت کے ضیاع اور دیگر مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بلوچستان کے عوام کی مشکلات اور زائرین اور سیاحوں کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر لکپاس ٹنل چیک پوسٹ ہٹائی جائے۔

(محمد سعید بلوچ)

احتجاجی ریلی

نوشکی بی وائی سی نیشنل پارٹی کے زیراہتمام بدل کاریز اسکول کے ایس ایس ٹی ٹیچر فرید احمد بادینی کی جبری گمشدگی کے خلاف میر گل خان نصیر پبلک لائبریری سے احتجاجی ریلی نکالی گئی جو جناح روڈ سے گزرتی ہوئی پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرے میں تبدیل ہوگئی۔ احتجاجی ریلی میں بڑی تعداد میں خواتین اور بچوں نے بھی شرکت کی۔ احتجاجی مظاہرہ سے ماسٹر فرید احمد بادینی کی صاحبزادی لبانہ بادینی بیبرگ بلوچ مابین بلوچ کامریڈ حمید بلوچ نیشنل پارٹی کے رہنما فاروق بلوچ بی این پی کے سی سی ممبر خورشید جمالدینی جمعیت علماء اسلام کے رہنما مولانا ذکریا عادل جی ٹی اے کے ظاہر بلوچ ماہ پارہ بلوچ اور دیگر نے خطاب کیا۔ مقررین نے جبری گمشدگیوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جبری گمشدگیوں سے بلوچستان کے عوام کے احساس محرومی میں اضافہ باعث تشویش ہے اب ہمارے اساتذہ جو قوم معمار کہلاتے ہیں جبری گمشدگیوں کا شکار ہو رہے ہیں جو ایک المیہ ہے بلوچستان میں اساتذہ بھی جبر اور ظلم سے محفوظ نہیں ہیں۔ ماسٹر فرید احمد بادینی شوگر اور بلڈ پریشر کے مریض ہیں جنکی دو ماہ سے جبری گمشدگی سے خاندان میں انکی زندگی کے حوالے سے تشویش پائی جاتی ہے۔ مقررین نے کہا اگر 23 دسمبر تک ماسٹر فرید احمد بادینی کو بازیاب نہیں کرایا گیا تو بطور احتجاج پاک ایران قومی شاہراہ بلاک کردینگے مظاہرین پلے کارڈز اٹھار کھے تھے۔ مظاہرین نے ماسٹر فرید احمد بادینی اور دیگر لاپتہ افراد کے بازیابی کے لیے نعرے بازی بھی کی۔

(محمد سعید)

انتظامیہ کی ٹریفک نظام میں ناکامی

چمن چمن شہر بلوچستان کا ایک اہم تجارتی اور سماجی مرکز ہے مگر یہاں کی انتظامیہ ٹریفک کے نظام کو بہتر بنانے میں مسلسل ناکام دکھائی دیتی ہے۔ مال روڈ، ٹرنچ روڈ، تاج روڈ، بغرہ روڈ، عیدگاہ چوک اور بالخصوص بغرہ بائی پاس چوک جیسے اہم علاقے دن بھر بدترین ٹریفک مسائل کا شکار رہتے ہیں۔ ان شاہراہوں پر ٹریفک گھنٹوں تک جام رہتی ہے جس سے عوام کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ٹریفک کے حوالے سے متعدد بار میڈیا کے ذریعے ڈپٹی کمشنر، ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر، سٹی میئر سمیت دیگر ذمہ دار حکام کو نشاندہی اور یاد دہانی کرائی گئی ہے لیکن ضلعی انتظامیہ اور متعلقہ حکام صورتحال سے راہ فرار اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ غفلت صورتحال کو مزید پیچیدہ بنا رہی ہے۔ یہ سڑکیں نہ صرف شہر کی تجارتی سرگرمیوں کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں بلکہ عوامی نقل و حرکت میں بھی بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ تاہم تجاوزات، غیر منظم پارکنگ، اور ٹریفک پولیس کی کمزور کارکردگی نے ان علاقوں کو ناقابل برداشت بنا دیا ہے۔ عوام کا کہنا ہے کہ مقامی حکومت کی توجہ صرف وقتی اقدامات پر ہے، جو پائیدار نتائج دینے سے قاصر ہیں۔ چمن شہر کے لیے ضروری ہے کہ انتظامیہ سنجیدہ اقدامات کرے اور عوام کے مسائل کو اپنی ترجیحات میں شامل کرے۔ بصورت دیگر ٹریفک کے یہ مسائل نہ صرف شہری زندگی کو مزید مشکل بنا دیں گے بلکہ چمن کی ترقی کی راہ میں بھی بڑی رکاوٹ بن جائیں گے۔

(محمد صدیق)

کوٹ لالو تھانہ کی حدود زرعی پانی کی قلت پر احتجاجی مظاہرہ

نوشہرو فیروز نوشہرو فیروز (الطاف حسین قاسمی) پڈعیدن میں سانگی مائنر کے کاشتکاروں اور جسقم جساف کی جانب سے سانگی مائنر میں پانی کی شدید قلت کے خلاف درجنوں آبادگاروں نے سانگی مائنر کا پل بلاک کر کے آبپاشی عملے کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا اور دھرنا دیا۔ اس موقع پر رہنماؤں سجن خان سولنگی، رستم شر، حاجن خان سولنگی، گھرام سندھی میھون خان سیال، محمد رفیق راجپر، نویدا جن، سہیل پلھ، سارنگ بڑدی، غازی خان سیال اور دیگر کی قیادت میں سانگی مائنر پل پر روڈ بلاک کر کے دھرنا دیا گیا اور شدید نعرے بازی کی گئی۔ اس موقع پر رہنماؤں نے میڈیا سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ اریگیشن عملہ بڑے اثر اثوک والے زمینداروں سے ملی بھگت کر کے ہمارا زرعی پانی فروخت کر رہے ہیں جس کی وجہ سے گندم کی بجائی ناممکن ہوگئی ہے اور ہماری زمینیں بنجر ہوگئی ہیں اور ابھی تک ہم فصل نہیں لگا سکے۔ انہوں نے وزیر آبپاشی، چیف انجینئر، ایس ڈی او اریگیشن اور دیگر اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا کہ جلد از جلد نوٹس لے کر سانگی مائنر کے مکینوں کو پانی فراہم کرے بصورت دیگر احتجاج جاری رہے گا۔

(نامہ نگار)

تنخواہوں کی عدم ادائیگی

اوکاڑہ بلدیہ اوکاڑہ کے سینکڑوں ملازمین نے تین ماہ کی تنخواہوں کی عدم ادائیگی پر پریس کلب اوکاڑہ کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا اور اپنے مطالبات کے حق میں نعرے لگائے۔ مظاہرین میں شامل محمد سعید نے بتایا کہ اُن کو گزشتہ تین ماہ سے تنخواہیں نہیں ملیں جس کی وجہ سے وہ فاقہ کشی کا شکار ہیں۔ چیف آفیسر بلدیہ اوکاڑہ عمر نسیم نے بتایا کہ حکومت کی طرف سے گرانٹ میں کمی کی وجہ سے تنخواؤں کی ادائیگی کا نظام متاثر ہوا ہے۔ مظاہرین نے اوکاڑہ پریس کلب کے سامنے کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے آگ بھی لگائی۔ (اصغر حسین حماد)

یونین کونسل آپریشن آفیسرز کو اچانک برطرف کر دیا گیا

خیبر ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے ضلع خیبر میں یونین کونسل آپریشن کے 73 آفیسرز کو یک لخت برطرف کر دیا ہے۔ جمرود پریس کلب میں سیاسی، سماجی وقومی مشران محمد صدیق آفریدی، ملک واحد شاہ آفریدی، ثناء اللہ آفریدی، شاہ ولی آفریدی، اور سید کبیر آفریدی نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے ضلع خیبر میں انسداد پولیو مہم کے 73 یونین کونسل آپریشن آفیسرز کو اچانک برطرف کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ضلع خیبر ایک پڑوسی ملک افغانستان کی سرحد کے ساتھ متصل ہے۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں پولیو کے نئے کیسز رپورٹ ہوئے۔ ان حالات میں پولیو اہلکاروں کی برطرفی سے پولیو کے مرض پر قابو پانا بہت مشکل ہو جائے گا۔ مطالبہ ہے کہ برطرف شدہ اہلکاروں کو فی الفور بحال کیا جائے تاکہ پولیو کے خلاف مہم مؤثر طریقے سے جاری رہ سکے۔

(منظور آفریدی)

ہسپتال میں ادویات اور اسٹاف کی شدید کمی

چمن چمن کو ضلع بنے کافی عرصہ گزر چکا ہے مگر ابھی تک ضلع کے دو بڑے سرکاری سرکاری اسپتالوں اولڈ ڈی ایچ کیو اور مفتی محمود ٹیچنگ اسپتال کیلئے سالانہ بجٹ مختص نہیں کیا جا سکا۔ اسپتالوں میں عملے کی شدید کمی ہے۔ نورزمان اچکزئی نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے نمائندے کو بتایا کہ پچھلے سال ڈیڑھ لاکھ مریض او پی ڈی میں آئے جن کے علاج اور دیکھ بھال کے لیے 48 لوگوں پر مشتمل عملہ دستیاب تھا۔ ڈاکٹرز کی 20 پوسٹیں بھی خالی ہیں۔ امراض قلب، نیوسرجن، انستیزیا، سمیت کئی امراض کے ڈاکٹرز موجود نہیں۔ سب سے تشویشناک امر یہ ہے کہ امراض قلب کے ڈاکٹر اور طبی سہولیات کی عدم دستیابی کے باعث روزانہ ایمرجنسی میں لائے جانے والے بیشتر مریضوں کے فوت ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ چمن کے اولڈ ڈی ایچ کیو اور ٹیچنگ اسپتال کے ایم ایس ڈاکٹر رشید ناصر نے بتایا کہ پچھلے تین چار ماہ سے شعبہ ایمرجنسی میں دل کے دورے کے مریض بھی متواتر آتے رہتے ہیں جن میں سے بیشتر کو ہم کوئٹہ ریفر کرتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس انجیوگرافی کا بندوبست اور دیگر طبی سہولیات موجود نہیں ہیں۔ انہوں انکشاف کیا ہے کہ پچھلے ہفتے اسپتال لائے گئے پانچ مریض انتقال کر گئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ چمن کی لاکھوں کی آبادی کے پیش نظر یہاں کے مرکزی ہسپتال میں عملے کی تعداد کم از کم دو سو سے زیادہ اسٹاف کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ ادویات اور دیگر سہولیات کی فراہمی کے لیے جلد از جلد انتظامات بھی کیے جائیں۔

(محمد صدیق)

سردی سے شہری چیسٹ انفکشن کا شکار

چمن چمن کے بالائی اور بلوچستان کے شمالی علاقوں میں سردی کی شدید خشک لہر جاری ہے جس کے باعث چمن میں بڑی تعداد میں شہری چیسٹ انفکشن کا شکار ہوگئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ سردی کی شدت اور خشک ہواؤں کی وجہ سے چیسٹ اور دل کے امراض میں مبتلا مریضوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا ہے جس کے سبب شرح اموات بھی بڑھ گئی ہے ڈاکٹر رشید ناصر نے مزید کہا کہ اسپتال میں ادویات اور طبی عملے کی کمی کا بھی سامنا ہے، جس کے باعث مریضوں کو علاج فراہم کرنے میں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ انہوں نے حکومت سے فوری طور پر طبی وسائل فراہم کرنے کی درخواست کی تاکہ شہریوں کو بہتر علاج اور سہولتیں فراہم کی جا سکیں۔

(محمد صدیق)

چیک پوسٹ پر عورتوں کے ساتھ مبینہ ناروا رویہ

خیبر جمرود بھگیاڑی چیک پوسٹ پر خواتین کی بے عزتی کرنے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں، ڈی پی او خیبر فوری ملوث اہلکار کو برطرف کر کے قرار واقعی سزا دے۔ جمرود سیاسی اتحاد کے صدر ملک واحد شاہ نے بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ جب سے ہمارے خاصہ دار فورس پولیس بن گئے ہیں تو انہوں نے اپنے طور طریقے بھی تبدیل کر دئے ہیں اور اب اپنے علاقے کی خواتین کی بے عزتی کرتے ہیں۔ ملک واحد شاہ کا کہنا ہے کہ آج بھگیاڑی چیک پوسٹ پر جس پولیس اہلکار نے خواتین کی بے عزتی کی ہے جس کی شدید مذمت کی جاتی ہے۔ انہوں نے ڈی پی او خیبر سے واقع میں ملوث پولیس اہلکار کے خلاف کارروائی کر کے انہیں فوری طور پر برطرف کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اگر ملوث پولیس اہلکار کے خلاف کارروائی نہیں کی گئی تو جمرود سیاسی اتحاد بھگیاڑی چیک پوسٹ پر احتجاجی مظاہرہ کرے گا۔

(منظور آفریدی)

ٹیچر کی غیر قانونی گرفتاری کی مذمت

خیبر ضلع خیبر کی تحصیل جمرود کے علاقہ شاکس میں علی الصبح سیکورٹی فورسز نے چھاپہ مار کر گورنمنٹ پرائمری سکول سم غاخی کے ٹیچر حاجی بادشاہ کو گرفتار کر لیا ہے جس کی آل ٹیچرز ایسوسی ایشن خیبر نے شدید مذمت کی اور ان کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ آل ٹیچرز ایسوسی ایشن خیبر کے نمائندوں نے کہا ہے کہ اس سے پہلے بھی ایسی گرفتاریاں ہوئی ہیں جس پر سابقہ ڈی پی او خیبر سے کامیاب مذاکرات کے بعد یہ طے ہوا تھا کہ خاندانی تنازعات اور خاندان کے کسی فرد کے جرم میں اساتذہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی جب تک کے وہ خود کسی جرم میں ملوث نہ ہوں۔ لہذا محترم استاد حاجی بادشاہ کو فوری رہا کیا جائے بصورت دیگر اساتذہ بھرپور احتجاج پر مجبور ہوں گے جس کی ساری ذمہ داری متعلقہ اداروں پر ہوگی۔

(منظور آفریدی)

تعلیم

ڈیوٹی کے دوران استاد کو مار پیٹ کا نشانہ بنایا گیا

عمرکوٹ 4 دسمبر کو تحصیل وضلع عمرکوٹ کی تھر والی سرحدی پٹی کی یونین کاؤنسل کھوکھراپار کے گوٹھ لپلو میں قائم گورنمنٹ بوائز پرائمری اسکول علی محمد نوہڑی کے پرائمری استاد حافظ بشیر احمد کو اسکول ڈیوٹی کے دوران گوٹھ علی محمد نوہڑی کے مقامی بااثر زمیندار کے بیٹے عطا محمد نوہڑی اور دیگر نے سخت مار پیٹ کا نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں استاد کے کپڑے بھی پھٹ گئے۔ ملزمان نے استاد سے نقدی اور موبائیل بھی چھین لئے۔ بعد میں ورثا نے علاج و معالج کے لئے زخمی استاد کو سول ہسپتال عمرکوٹ منتقل کیا۔ متاثرہ استاد کے بھائی عبدالکریم کے مطابق اس کے بھائی کو ڈیوٹی کے دوران ملزمان نے بلا وجہ سخت مار پیٹ کا نشانہ بنایا۔ اساتذہ کی نمائندہ جماعت پرائمری ٹیچر ایسوی ایشن کے مقامی رہنماؤں اکرام اللہ آرائیں، رتن سنگھ سوڈھو اور دیگر نے سول ہسپتال عمرکوٹ پہنچ کر زخمی استاد کی عیادت کی اور واقعے کے متعلق معلومات بھی لی۔ بعد میں استاد رہنماؤں نے ورثا کے ہمراہ ایس پی عمرکوٹ سے ملاقات کر کے وقوع کے متعلق معلومات دی۔ ایس پی کی سخت ہدایت کے بعد پولیس تھانہ کھوکھراپار پر ملزم عطا محمد نوہڑی اور دیگر کے خلاف کیس درج کیا گیا۔ ضلعی تعلیمی افسر نے بھی واقعے کے متعلق اعلیٰ حکام کو لیٹر لکھ کر آگاہ کر دیا۔

(نامہ نگار)

سکول ٹیچر نامعلوم افراد کے ہاتھوں قتل

خیبر باڑہ برقمبر خیل علاقہ شنکو میں سکول ٹیچر روح الامین کوکی خیل کو نامعلوم مسلح افراد نے گولیاں مار شدید زخمی کر دیا۔ انہیں فوری پر طبی امداد کے لئے ڈوگرہ ہسپتال منتقل کیا گیا جہاں وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے۔ واقعہ 5 دسمبر کو پیش آیا تھا۔ بعد ازاں ان کے قاتلوں کی گرفتاری کے لیے احتجاج ہوا۔ ملگری استاذان خیبر کے صدر گلاب دین آفریدی، آل ٹرائبل ٹیچر ایسوسی ایشن کے صدر نصیر شاہ، ینگ ٹیچر ایسوسی ایشن کے صدر شاہد گل، تنظیم اساتذہ کے صدر شریف اللہ، اپٹا کے صدر حواص خان اور سکول پرنسپل سرنواب گل نے باڑہ پریس کلب کے باہر استاد روح الامین شہید کے قتل کے خلاف اساتذہ کرام کے احتجاجی مظاہرے کے دوران میڈیا نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ باڑہ سرکاری سکول کے استاد روح الامین شہید کے قاتلوں کو فی الفور گرفتار کیا جائے۔ اس موقع پر کثیر تعداد میں اساتذہ کرام موجود تھے جنہوں نے ہاتھوں میں پلے کارڈز اٹھار کھے تھے جن پر استاد روح الامین شہید کے حق میں اور ضلعی انتظامیہ خیبر کے خلاف نعرے درج تھے۔ انہوں نے ضلعی انتظامیہ خیبر اور دیگر متعلقہ حکام سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ تین دن کے اندر اندر قاتلوں کو گرفتار کیا جائے جبکہ مرحوم استاد روح الامین کے اہل خانہ کو شہید پیکج سمیت تمام حقوق کی بروقت ادائیگی یقینی بنائی جائے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ دن پہلے ڈی سی خیبر کو امن وامان کی مخدوش صورتحال سے آگاہ کیا گیا تھا اور اقدامات اٹھانے کی درخواست کی گئی تھی۔ لہٰذا کوتاہی کرنے والے ذمہ داران کو فی الفور معطل کیا جائے۔ انہوں نے سکیورٹی فراہم کرنے والے متعلقہ حکام سے ضلع بھر کے تمام سکولوں کی فل پروف سکیورٹی یقینی بنانے کا بھی مطالبہ کیا۔ انہوں نے قبیلہ قمبر خیل کے اعلان شدہ احتجاج کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے کہا کہ ضلع خیبر کے تمام سکولوں کے اساتذہ تین روزہ سوگ کے سلسلے میں یوم سیاہ منائیں گے۔

(مسعود شاہ)

تعلیمی ادارے میں اساتذہ کی کمی سے کئی بچے تعلیم سے محروم

چمن گورنمنٹ پرائمری سکول مدرسہ بحر العلوم گوڑ ہسپتال روڈ چمن کی تعلیمی کمیٹی کے چیئرمین عبیداللہ کاکوزئی نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ضلعی کور گروپ کے سابق ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر کو بتایا کہ تین سال قبل انہوں نے گورنمنٹ پرائمری سکول مدرسہ بحر العلوم چمن کے لیے دو پوسٹوں کی منظوری کی درخواست جمع کروائی۔ یہ درخواست ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر چمن سے شروع ہو کر ڈپٹی ڈائریکٹر، ڈویژنل ڈائریکٹر، ڈائریکٹر اسکولز بلوچستان اور پھر سیکریٹری تعلیم بلوچستان تک پہنچی اور صوبائی سیکریٹریٹ کے بجٹ سیکشن میں درخواست جمع ہوئی جہاں انہیں صاف بتایا گیا کہ "بغیر سفارش کوئی کام ممکن نہیں۔" نتیجتاً اسی سال بجٹ ان کی درخواست ردی کی ٹوکری کی نذر ہو گئی۔ بعد ازاں، انہوں نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اور صوبائی محتسب بلوچستان کے ذریعے شکایت درج کرائی لیکن آج تک اس پر توجہ نہیں دی گئی۔ یہ صورتحال اس حقیقت کی غماز ہے کہ ہمارے تعلیمی ادارے اور ان کی ضروریات نظر انداز ہو رہی ہیں۔ ہمارے محلے کا اسکول جو ایک دینی مدرسہ کی عمارت میں قائم ہے دس سال پہلے منظور ہوا تھا۔ اس وقت اسکول میں 67 طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں لیکن صرف ایک استاد تعینات ہے۔ اساتذہ کی کمی کی وجہ سے متعدد بچے تعلیم کے زیور سے محروم ہیں۔

(محمد صدیق)

لاپتہ ٹیچر کی بازیابی کا مطالبہ

نوشکی 9 دسمبر 2024 کو لاپتہ ماسٹر فرید احمد بادینی کی بیٹی لبابہ بادینی، بیوی ثمینہ بادینی، بیٹے صفوان بادینی اور مروان بادینی نے نوشکی پریس کلب میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ماسٹر فرید احمد بادینی معزز شہری کے ساتھ ساتھ ایک فرض شناس استاد ہیں جنہیں 13 اکتوبر 2024 کو ان کے گھر کلی بدل کاریز سے رات کے دو بجے درجنوں مسلح باوری اور سادہ کپڑوں میں ملبوس افراد اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ تاحال لاپتہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ماسٹر فرید احمد بادینی گورنمنٹ مڈل سکول کلی بدل کاریز میں بطور ایس ایس ٹی انچارج خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ان کا کسی بھی سیاسی و مذہبی جماعت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کسی متنازعہ سرگرمی میں ملوث تھے۔ وہ ایک عمر رسیدہ شخص اور شوگر و آئی بلڈ پریشر کے مرض میں مبتلا ہیں ادویات کی عدم دستیابی وان کی دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم ماسٹر فرید احمد بادینی کے اہل خانہ ان کی باحفاظت بازیابی کے لیے اپنی فریاد مختلف اداروں و شخصیات تک پہنچا چکے ہیں مگر ابھی تک ہماری فریاد نہیں سنی گئی۔ ہماری دن رات کی کوشش اور منتیں بار آور ثابت نہیں ہوئیں اور نہ ہی ہمارے والد ماسٹر فرید احمد کی صحت کے بارے میں معلومات اور ان تک رسائی نہیں دی گئی جس سے ہم گھر کے تمام افراد انتہائی پریشانی اور ذہنی اذیت کا شکار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آج ہم میڈیا کی توسط سے ارباب اختیار اور انسانی حقوق کی علم بردار تنظیموں سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ ماسٹر فرید احمد بادینی کی فوری بازیابی کے لیے کردار ادا کریں۔ اگر انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ وہ تو ہماری حالت زار پر ترس کھا کر ماسٹر فرید احمد بادینی کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ ہمارے گھر کی خوشیاں والد محترم کی سرپرستی میں ایک بار پھر بحال ہوں اور والد صاحب بطور استاد ایک دفعہ پھر اپنے فرائض ادا کر سکیں۔

(سعید بلوچ)

بچے

نومولود بچے کی نعش برآمد

اوکاڑہ 25 دسمبر کو دیپال پور کے نواحی علاقے عبداللہ بستی میں واقع کچرے کے ڈھیر سے نومولود بچے کی لاش برآمد ہوئی۔ ریسکیو 1122 ٹیم نے نومولود بچے کی لاش کی صفائی وستھرائی اور ضروری کارروائی کرنے کے بعد مقامی سٹی پولیس دیپال پور کے حوالے کر دی۔ پولیس مصروف تفتیش ہے۔

(اصغر حسین حماد)

ذہنی معذوری کی شکار ماں نے اپنے دو معصوم بچوں کو ذبح کر دیا

نواب شاہ 18 دسمبر کو مبینہ طور پر ذہنی معذوری کی شکار ایک عورت نے اپنے جڑواں بچوں کو ذبح کر دیا۔ پولیس نے ملزمہ کومل کو حراست میں لے کر وومین تھانہ منتقل کر دیا۔ پولیس واقعہ کی تحقیقات کر رہی ہے۔ نواب شاہ میں ایئر پورٹ تھانہ کی حدود میں واقع علاقہ وی آئی پی روڈ پر کومل نامی عورت نے اپنے دو کمسن بچوں کے گلے پر چھری پھیر دی۔ پولیس کے مطابق ساڑھے تین سالہ محمد رضا اور محمد حمزہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ ضابطے کی کارروائی کے لئے نعشوں کو پیپلز میڈیکل اسپتال منتقل کر دیا گیا۔ ایس ایچ او ثنااللہ پھنور کا کہنا ہے کہ بچوں کے چچا نے بتایا ہے کہ بچوں کی ماں کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں تھا۔ ملزمہ کی چھ سال قبل تو حید شیخ سے شادی ہوئی تھی۔ افسوسناک واقعہ کی تحقیقات کے لئے ملزمہ کو آلہ قتل سمیت حراست میں لے لیا گیا ہے۔ دوسری جانب تھانہ ایئر پورٹ پولیس کی زیر حراست کومل شیخ نے میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ بچے ٹیوشن پڑھ کر آئے تھے کہ اس نے چھری سے اپنے بچوں کے گلے کاٹ دیے۔ گھر میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ بچوں کے گلے کاٹنے کی وجہ معلوم کرنے کے سوال پر ملزمہ کومل شیخ مسلسل خاموش رہی۔

(آصف البشر خان)

بچوں پر پولیس کا مبینہ تشدد اور

اوکاڑہ 19 دسمبر 2024 کو بصیر پور کے نواحی علاقہ آبادی رسول پور کے رہائشی نویں جماعت کے طالب علم عدل زیب اور اس کے کزن فیصل اپنا ملکیتی بکرا گاڑی پر اپنے زرعی فارم سے لے کر گھر جا رہے تھے کہ ایلیٹ فورس کے اے ایس آئی اسماعیل نے انہیں ناکہ پر روک لیا۔ ایلیٹ فورس کے اے ایس آئی اسماعیل نے تھانہ منڈی احمد اباد کی حدود سے دونوں بچوں کو زبردستی گاڑی سمیت حراست میں لے لیا۔ مذکور پولیس آفیسر نے بچوں سے بیس ہزار ہزار روپے رشوت مانگی۔ نہ ملنے پر طالب علم بچوں کو چوری کا الزام لگاتے ہوئے بصیر پور تھانہ کی پولیس کے حوالے کر دیا۔ وہاں پولیس تھانہ بصیر پور پولیس کے ایس ایچ او فرخ حسین ایس آئی طاہر بشیر اور اے ایس آئی اسماعیل نے دونوں طالب علم بچوں کو وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا۔ اطلاعات کے مطابق، بعدازاں، بصیر پور کی پولیس نے ایک لاکھ 25 ہزار روپے رشوت لے کر بے گناہ بچوں کو چھوڑ دیا اور بکرا بھی اُن کے حوالے کر دیا۔ متاثرہ بچے عدل زیب کے والد نے ڈی پی او اوکاڑہ کو درخواست جمع کروائی۔ ڈی پی او اوکاڑہ نے متاثرہ کی درخواست پر نوٹس لیتے ہوئے ایس پی انویسٹی گیشن کو انکوائری آفیسر مقرر کر دیا۔

(اصغر حسین حماد)

عورتیں

میاں بیوی پر فائرنگ

اوکاڑہ 21 دسمبر کو ریاض احمد اور اس کی اہلیہ شفقت بی بی دیپال پور میں چورستہ میاں خاں سے لدھیوال اپنے گھر آ رہے تھے کہ راستہ میں ملزمان ساجد اور خرم شہزاد گھات لگائے کھڑے تھے جنہوں نے دونوں میاں بیوی پر فائرنگ کر دی جس سے دونوں میاں بیوی شدید زخمی ہو گئے۔ ان کو تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال دیپال پور منتقل کیا گیا۔

(اصغر حسین حماد)

غیرت کے تصور نے ایک اور جان لے لی

میانوالی کندیاں کے نواحی علاقہ ساجھری میں غیرت کے نام پر مخالفین نے موٹر سائیکل پر سوار میاں بیوی پر اندھا دھند فائرنگ کر دی جس سے میاں قتل جبکہ بیوی شدید زخمی ہو گئی۔ مقتول محمد لطیف نے چند ماہ قبل ریحانہ نامی لڑکی سے پسند کی شادی کی تھی جس کا لڑکی کے ورثا کو رنج تھا۔ محمد لطیف سکنہ نانگی واں بچھراں اپنی بیوی کے ہمراہ گھر جا رہے کہ راستے میں گھات لگائے بیٹھے مخالفین نے ان پر فائرنگ کر دی۔ زخمیوں کو فوری طور پر ڈی ایچ کیو ہسپتال منتقل کیا گیا جہاں محمد لطیف دوران علاج زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گئے جب ریحانہ کی حالت تشویشناک بتائی جا رہی تھی۔ پولیس نے جائے وقوعہ سے شواہد اکٹھے کیے، اور مقدمہ درج کر کے ملزمان کی گرفتاری کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ واقعہ 21 دسمبر کو پیش آیا تھا۔

(محمد رفیق)

بھائی کے ہاتھوں بہن قتل

میانوالی ترگ شریف میں بھائی نے بہن کو قتل کر دیا۔ اطلاعات کے مطابق ترگ شریف عیسیٰ خیل کے علاقہ میں گھریلو تنازعہ پر شہزاد نامی لڑکے نے اپنی 17 سالہ بہن کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔

(محمد رفیق)

دھماکہ خیز مواد کی زد میں آ کر ایک بچہ ہلاک، پانچ زخمی

خیبر ضلع کے دورافتادہ علاقہ وادی تیراہ پیر میلہ زخہ خیل کے گاؤں منزاوئن میں مارٹر گولہ گرنے سے 3 سالہ مصطفیٰ ہلاک جبکہ 5 بچے شدید زخمی ہو گئے ہیں۔ مصطفیٰ ولد عزیز شہید جبکہ نوید ولد عزیز، اجل حبیب ولد عبدالوہاب، حضرت علی ولد صلاح الدین، زین اللہ ولد جلیل، نور سعید ولد جلیل زخمی ہو گئے۔

(نامہ نگار)

تصادموں میں پھنسنے بچوں کے لیے 2024 تاریخ کا ایک بدترین سال

خیبر غزہ میں بچے پینے کے صاف پانی کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔اقوام متحدہ کے ادارہ برائے اطفال (یونیسف) کے مطابق دنیا بھر میں جاری مسلح تنازعات بچوں کے لیے تباہ کن ثابت ہو رہے ہیں اور امکان ہے کہ سال 2024 میں ان کے اثرات ریکارڈ سطح تک پہنچے ہوئے ہونگے۔یونیسف کی طرف سے جاری کردہ ایک تازہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بچوں کے حقوق کی ریکارڈ تعداد میں خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔وہ تشدد کا شکار ہو رہے ہیں،سکول کی تعلیم اور زندگی بچانے والی ویکسین سے محروم ہیں اور غذائی قلت کا شکار ہیں جبکہ اس صورتحال سے دوچار بچوں کی تعداد میں مزید اضافہ متوقع ہے۔میانمار سے لے کر فلسطین اور ہیٹی سے لے کر سوڈان تک،دنیا دوسری جنگ عظیم کے بعد سب سے زیادہ پرتشدد تنازعات کا سامنا کر رہی ہے۔دنیا میں بچوں کی آبادی کا تقریباً 19 فیصد یعنی 47 کروڑ 30 لاکھ بچے اس وقت پرتشدد تنازعات میں گھرے علاقوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ان بچوں میں سے 4.72 کروڑ کو جبراً بے گھری کا بھی سامنا ہے۔غزہ میں ہزاروں بچے ہلاک اور ہزاروں زخمی ہوئے ہیں جبکہ یوکرین میں 2024 کے پہلے 9 مہینوں کے دوران بچوں کی ہلاکتوں کی تعداد پہلے ہی 2023 کی کل تعداد سے تجاوز کر چکی ہے۔پرتشدد تنازعات کی زد میں آنے والے علاقوں میں خواتین اور لڑکیوں کو جنسی تشدد کا نشانہ بنائے جانے کے واقعات بھی سامنے آئے ہیں۔ہیٹی میں اس سال اب تک بچوں کے خلاف جنسی تشدد کے واقعات میں ایک ہزار فیصد اضافہ ہوا ہے۔اسی طرح پرتشدد تنازعات سے متاثرہ علاقوں میں معذور بچوں کے حقوق کی پامالی کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

تعلیم میں خلل اور غذائی قلت

ایک اندازے کے مطابق پرتشدد تنازعات کا سامنا کرنے والے ممالک میں 5 کروڑ 20 لاکھ بچے سکول جانے سے قاصر ہیں۔غزہ اور سوڈان میں ایک سال سے زیادہ عرصہ سے بچوں کی تعلیم متاثر ہوئی ہے جبکہ یوکرین،کانگو اور شام میں سکولوں کی عمارتوں کو یا تو بھاری نقصان پہنچا ہے یا انہیں دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے،جس سے ان علاقوں میں بچوں کی تعلیم بری طرح متاثر ہوئی ہے۔پرتشدد تنازعات کے علاقوں میں بچوں میں غذائی قلت کے معاملات تشویشناک حد تک پہنچ چکے ہیں۔مسلح تشدد اور تنازعات کی وجہ سے بہت سے علاقے خوراک کے بحران کا سامنا کر رہے ہیں۔بگڑے ہوئے حالات نے خوراک کی فراہمی کا نظام درہم برہم کر دیا ہے،لوگوں کو بے گھر کر دیا ہے اور انسانی امدادی کارروائیوں میں رکاوٹیں کھڑی ہیں۔

ذہنی وجسمانی صحت کے مسائل

پرتشدد تنازعات نے بچوں کے لیے صحت کی دیکھ بھال کی خدمات تک رسائی کو بھی متاثر کیا ہے۔حفاظتی ٹیکوں سے محروم بچوں میں تقریباً 40 فیصد ایسے ممالک میں رہتے ہیں جو مکمل یا جزوی طور پر مسلح تنازعات کا شکار ہیں۔ان بچوں کو خسرہ،پولیو اور دیگر بیماریوں کا خطرہ لاحق ہے کیونکہ ان کے پاس مناسب تحفظ،غذائیت اور صحت کی خدمات کی کمی ہے۔مسلح تصادم کے سائے میں رہنے سے بچوں کی ذہنی صحت پر بھی گہرا اثر پڑا ہے۔تشدد،موت،تباہی،خاندان کے افراد کے کھو جانے کے تجربات کی وجہ سے بچے ذہنی تناؤ کا شکار ہوتے ہیں۔انہیں ڈراؤنے خواب آتے ہیں اور وہ سونے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔اس صورتحال میں ان کے رویے میں تبدیلی آتی ہے اور وہ جارحیت،اداسی،خوف،خاموشی اور دیگر مسائل کا شکار رہتے ہیں۔ (بشکریہ یو این خبرنامہ)

مذہبی منافرت نے ایک احمدی کی جان لے لی

راولپنڈی، میرپورخاص راولپنڈی میں مذہبی منافرت کی بنا پہ ایک احمدی کو دن دیہاڑے کلہاڑیوں سے وار کر کے بہیمانہ طور پر قتل کر دیا گیا۔قاتل کلہاڑی سے وار کرتے ہوئے یہ بھی کہہ رہا تھا کہ تم لوگوں کو منع بھی کیا تھا کہ یہاں سے چلے جاؤ اور یہ جگہ چھوڑ دو۔جماعت احمدیہ کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث شرپسندوں کو کھلی چھوٹ دینے اور مناسب کارروائی نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ آج ملک بھر میں احمدی کہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔5 دسمبر کو راولپنڈی کے علاقے ڈھمیال کیمپ میں دو احمدی بھائیوں طاہر احمد قمر اور طیب احمد پہ دوپہر ایک بجے کے لگ بھگ قاتلانہ حملہ کیا گیا۔وہ اپنی دکان پر موجود تھے کہ ایک نامعلوم شخص ہاتھ میں کلہاڑی لئے ہوئے آیا اور آتے ہی اس نے للکارتے ہوئے کہا کہ قادیانیو! تم لوگوں کو منع بھی کیا ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ اور یہ جگہ چھوڑ دو۔اس کے ساتھ ہی اس نے کلہاڑی سے وار کرنا شروع کر دیئے۔زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے طیب احمد موقع پہ انتقال کر گئے۔قاتل کی عمر تقریباً 30 سال تھی جو کہ جگہ چھوڑنے سے متعلق دھمکیاں دیتا ہوا فرار ہو گیا۔مقتول طیب احمد کے بھائی طاہر احمد قمر راولپنڈی میں کولہو،آٹا چکی اور اناج کا کاروبار کر رہے تھے۔مقتول طیب احمد اپنے بھائی سے ملنے چند روز قبل راجن پور سے راولپنڈی آئے تھے۔انہوں نے حملہ آور سے کہا کہ وہ یہاں مہمان ہیں تاہم اس نے کلہاڑی سے جسم کے اوپری حصہ پر متعدد وار کئے۔مقتول کی عمر 40 سال تھی۔وہ ایک شریف النفس انسان تھے۔قبل ازیں ان کے خاندان کو راجن پور میں شدید مذہبی مخالفت کا سامنا رہا۔اسی طرح مذہبی مخالفت کی بنا پر راولپنڈی میں بھی مقتول طیب احمد کے بھائی کو مذہبی منافرت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور جان سے مارنے کی دھمکیاں مسلسل مل رہی تھیں۔چند روز قبل ان کی دکان سے کچھ دور ایک مذہبی اجتماع ہوا جس کے بعد شرکاء کی جانب سے ان کی دکان پر پتھراؤ بھی کیا گیا۔ایک اور واقعے میں 13 دسمبر کو تھانہ نوکوٹ ضلع میرپورخاص کی حدود میں فضل بھمبرو کے علاقہ میں ایک احمدی امیر حسن مرڑانی صاحب کو دو نامعلوم موٹرسائیکل سواروں نے ہدف بنا کر قتل کر دیا۔تفصیلات کے مطابق صبح نماز کی ادائیگی کے بعد مقتول اپنے بیٹے کے ساتھ گھر واپس جا رہے تھے۔وہ اپنے گھر کے قریب پہنچے تھے کہ موٹرسائیکل پر سوار دو نامعلوم افراد آئے اور ان سے نام پوچھا۔شناخت کرنے کے بعد انہوں نے امیر حسن مرڑانی صاحب پر فائرنگ کر دی اور فرار ہو گئے۔گولیاں مقتول کے سینے میں لگیں جس سے ان کی موقع پر ہی وفات ہو گئی۔ان کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔انہوں نے پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین بیٹیاں اور دو بیٹے سوگوار چھوڑے ہیں۔بڑی بیٹی کی عمر 14 سال جبکہ سب سے چھوٹی بیٹی 8 ماہ کی ہے۔وہ ایک شریف النفس انسان تھے۔ان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔وہ جماعت احمدیہ کے مقامی عہدیدار تھے۔قبل ازیں ان کو احمدی ہونے کی بنا پر علاقہ میں شدید مذہبی مخالفت کا سامنا رہا۔ترجمان جماعت احمدیہ عامر محمود نے اس بہیمانہ قتل پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایک احمدی کا دن دیہاڑے سرعام ایک مذہبی جنونی کے ہاتھوں قتل ہونا انتہائی افسوسناک ہے۔احمدیوں کے خلاف نفرت کو ہوا دینے کا نتیجہ ہے کہ آج احمدی خود کو محفوظ نہیں سمجھ رہے۔جماعت احمدیہ کے خلاف شدت پسندی میں ملوث عناصر کی شناخت ڈھکی چھپی نہیں ہے۔حکومت ان کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کیوں نہیں کرتی؟ نفرت اور تشدد پہ اُکسانے والوں کو قانون کی گرفت میں لایا جائے تو مذہب کی بنا پر قتل و غارت گری کو روکا جا سکتا ہے۔ترجمان جماعت احمدیہ نے مطالبہ کیا ہے کہ مذہب کا مقدس نام استعمال کرتے ہوئے معاشرے میں خوف اور دہشت کی علامت بنے جنونیوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے تاکہ پُرامن معاشرے کا قیام عمل میں آ سکے۔

(عامر محمود)

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب،جبری گمشدگیوں،سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم،مالی معاونت،سیاسی پناہ،جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کردیتے ہیں۔ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں،واٹس ایپ کرسکتے ہیں،ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جاکر شکایت رجسٹر کرواسکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کرسکتے ہیں۔

لاہور

ایوان جمہور۔107 ٹیپو بلاک،نیوگارڈن ٹاؤن،لاہور 54600
فون : +92 42 3586 4994, 3583 8341, 3586 5969
ای۔میل : hrcp@hrcp-web.org
ویب سائیٹ : www.hrcp-web.org
مرکز شکایات سیل
فون : +92 042 3584 5969
موبائل : +92 0321 341 4884
ای میل : complaints@hrcp-web.org

کراچی

یونٹ نمبر 08،فلور 1
سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکوہاؤس)
عبداللہ ہارون روڈ
صدر،کراچی۔ 74400
فون : +92 21 3563 7131, 3563 7132
شکایات سیل (موبائل) : +92 315 111 6287
ای میل : karachi@hrcp-web.org

پشاور

43 گلشن اقبال لین
(نزد ارباب روڈ سٹاپ)
یونیورسٹی روڈ،پشاور
فون : +92 091 584 4253
شکایات سیل (موبائل) : +92 0318 950 0640
ای میل : peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد

آفس B-1،فلور 2
بلاک ڈی-12،(اوپر فیصل بینک)
جی 8،مرکز،اسلام آباد
فون : +92 51 835 1127
شکایات سیل (موبائل) : +92 333 569 4773
ای میل : islamabad@hrcp-web.org

کوئٹہ

فلیٹ نمبر C-6
کبیر بلڈنگ
ایم۔اے۔جناح روڈ،کوئٹہ
فون : +92 81 282 7869
شکایات سیل (موبائل) +92 306 294 6125
ای میل : quetta@hrcp-web.org

حیدرآباد

306- فائزہ آرکیڈ،(لوفٹ اینڈ میزانائن فلور)
نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ
صدر کنٹونمنٹ،حیدرآباد
فون : +92 22 278 3688, 720 770
فیکس : +92 22 278 4645
شکایات سیل (موبائل) : +92 310 339 2222
ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان

2511/5A ابدالی کالونی
نزد بریٹین سکول
ملتان
فون : +92 61 451 7217
شکایات سیل (موبائل) : +92 331 665 5529
ای میل : multan@hrcp-web.org

گلگت

آفس نمبر 8-9،رانگ یل پلازہ
جماعت خانہ روڈ،ذوالفقار آباد کالونی،
جتیال،گلگت
موبائل : +92 0344 547 5553
شکایات سیل (موبائل) : +92 355 454 1088
ای میل : gilgit@hrcp-web.org

تربت/مکران

پرواز ہاؤس،
بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
پسنی روڈ،تربت،کیچ
فون : +92 852 413 365
شکایات سیل (موبائل) : +92 323 234 2406
ای میل : turbat@hrcp-web.org

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کارروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتماعی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہءقدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹائون، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ